زِندگی بے بندگی شرمندگی

۱۱

سِراج مُنیر

بنت الاسلام

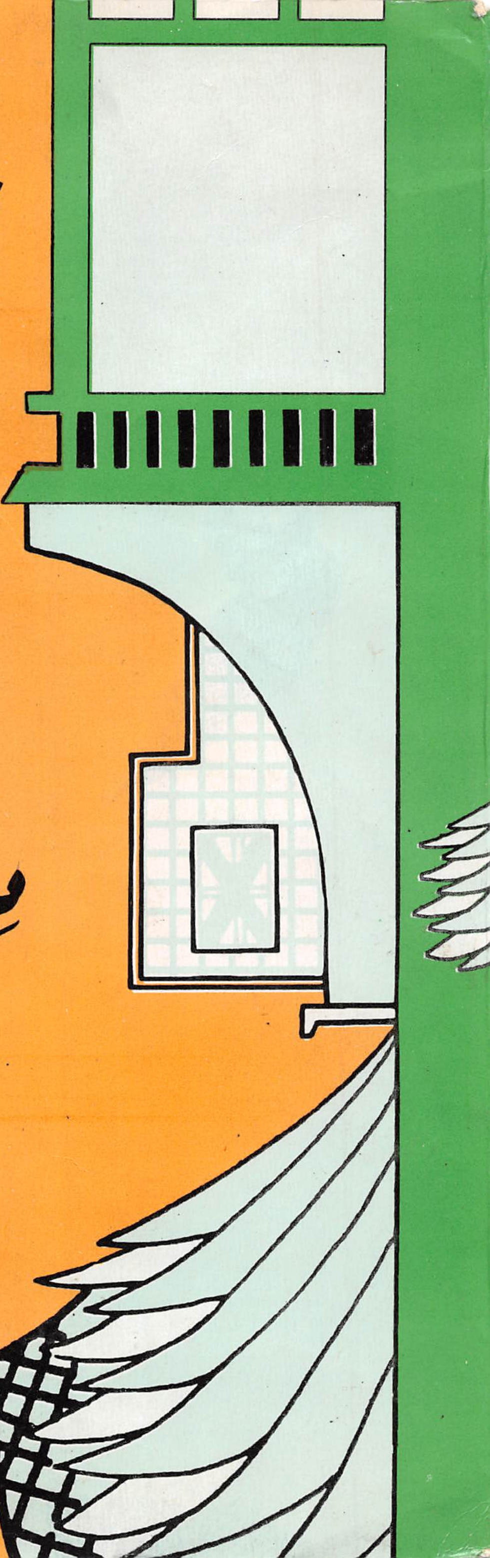

زندگی بے بندگی شرمندگی : ۱۱

سِراجِ مُنِیر

بنت الاسلام

ادارہ بتول، لاہور

طابع و ناشر ——— ادارہ بتول

مطبع ——— اے ایچ اے پرنٹرز

بار اوّل ——— ۱۹۸۴ء

تعداد ——— ۱۱۰۰

بار دوم ——— ۱۹۸۶ء

بار سوم ——— ۱۹۹۰ء

ہدیہ ——— ۴'۵ روپے

بار چہارم ——— ۱۹۹۱ء

بار پنجم ——— ۱۹۹۲ء

بار ششم ——— ۱۹۹۵ء

بار ہفتم ——— ۱۹۹۶ء

بار ہشتم ——— ۱۹۹۷ء

2001
Qazi Sanaullah
441 N Ardmore Ave Apt E
Villa Park, IL 60181-1702

ترتیب

	صفحہ
تعارف	۷
انسانیت کے سب سے بڑے محسن	۱۳
دین اور دوسرے طریقہ ہائے زندگی کا فرق	۱۷
وحی	۲۰
آخری نبیؐ	۲۳
یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ ----	۲۸
شَاھِدًا	۲۸
مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا	۳۱
دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ	۳۳
سِرَاجًا مُّنِیْرًا	۴۰
غرضکہ	۴۲
نزولِ وحی	۴۵

صفحہ

رُتبۂ بلند	۵۸
معراج	۵۹
شفاعت	۶۵
مقام محمود	۶۹
ختم نبوّت	۷۰
حضورؐ کا سب لوگوں کی طرف بھیجا جانا	۷۱
قبولیتِ دُعا	۷۲
حضورؐ کے پیرووں کی کثرت	۷۶
اہل بیت پر صدقہ حرام	۷۶
سب سے پہلے حضورؐ کے لیے دروازہ کھلنا	۷۷
حضورؐ کا خواب میں دیکھا جانا	۷۷
حضورؐ کا اللہ کے خلیل ہونا	۷۷
حضورؐ کے متفرق امتیازات	۷۸
درود وسلام	۸۰
حضورؐ کے معجزات	۸۶
چاند کا دو ٹکڑے ہونا	۸۹
تنے کا رونا	۹۰
گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا	۹۱
اونٹ کا تیز رفتار ہو جانا	۹۲
حافظے کا تیز ہو جانا	۹۳
ابوجہل کا دہشت زدہ ہو جانا	۹۳

صفحہ

حضورؐ کی نافرمانی کرنے کی سزا ملنا	۹۵
حضورؐ کا پشت کے پیچھے سے دیکھ لینا	۹۵
کھانے کی اشیاء میں برکت	۹۵
پانی میں برکت	۱۰۱
نام، حلیۂ مبارک، رفتار و گفتار وغیرہ	۱۰۴
نام اور کُنیت	۱۰۴
حلیۂ مبارک	۱۰۶
موئے مبارک	۱۰۹
حضورؐ کا تبسّم	۱۱۰
حضورؐ کی رفتار	۱۱۱
حضورؐ کی گفتار	۱۱۲
مہرِ نبوّت	۱۱۳
حسن و دلکشی	۱۱۵
حضورؐ کی غذا، لباس، خوشبو وغیرہ	۱۱۹
غذا	۱۱۹
لباس	۱۲۳
نعلین مبارک	۱۲۷
حضورؐ کا بستر	۱۲۷
خوشبو	۱۲۸
سُرمہ	۱۲۹
انگوٹھی	۱۳۰

صفحہ

اطاعتِ رسولؐ	۱۳۱
حبِّ رسولؐ	۱۳۸
برکت حاصل کرنا	۱۴۹
احترامِ رسولؐ	۱۵۱
اتباعِ رسولؐ	۱۵۶
آخری مرض، وصال، تکفین وتدفین وغیرہ	۱۶۰
آخری مرض	۱۶۰
حضورؐ کی وفات	۱۶۶
حضورؐ کی تکفین وتدفین	۱۶۹
قبرِ مبارک	۱۷۱
حضورؐ کے وصال پر مسلمانوں کا غم واندوہ	۱۷۱
حضورؐ کے بعد	۱۷۵
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ	۱۷۶
اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ	۱۹۱

تعارف

یہ کتاب اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ اس سے پہلے اس کے حسب ذیل دس حصّے پیش ہو چکے ہیں۔

۱۔ آخرت

۲۔ حبِّ الٰہی

۳۔ داعی کے اوصاف

۴۔ نفس کا تزکیہ

۵۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ

۶۔ صیام رمضان و حج بیت اللہ

۷۔ حقوق العباد

۸۔ علم

۹۔ اخوّت اسلامی

۱۰۔ توبہ

اس سلسلے کو مکمل کرنے میں کم و بیش تیرہ چودہ سال صرف ہوئے ہیں مگر اس تمام دوران میں کوشش یہی رہی ہے کہ جن اصولوں کو پیش نظر رکھ کر اسے شروع کیا تھا وہ نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔ یعنی

۱۔ موضوعات ایسے ہوں جو بنیادی اہمیت کے حامل ہوں۔

۲۔ زبان حتی الامکان عام فہم استعمال کی جائے۔

۳۔ جو کچھ بھی کہا جائے زیادہ تر قرآن پاک، حدیث شریف، سلف صالحین اور اہل بصیرت علماء کی زبان میں کہا جائے اور اپنی زبان کم سے کم استعمال کی جائے۔

۴۔ فقہی مسائل بیان کرنے کے بجائے زور اُن چیزوں پر دیا جائے جن سے دلوں میں دین کی محبت اور احکام دین پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو۔

۵۔ ان سنجیدہ موضوعات پر جو کچھ کہا جائے اسے حتی الامکان دلچسپ بنانے کی کوشش کی جائے تاکہ پڑھنے والوں کے ذہن بار نہ محسوس کریں۔

لکھنے والے کو اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے اس کا فیصلہ عموماً وہ خود نہیں کر سکتا، بلکہ پڑھنے والے کرتے ہیں لیکن یہ فیصلہ بھی بظاہر ہی ہوتا ہے، کیونکہ فی الحقیقت لکھنے والے کے مقاصد کی کامیابی کا علم صرف اللہ کی پاک ذات ہی کو ہوتا ہے۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ ایک کتاب ہزارہا انسانوں نے پڑھی ہو مگر اسے پڑھ کر دین کی محبت اور احکام دین پر عمل کرنے کا شوق صرف دو چار ہی کے دل میں پیدا ہوا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک کتاب کو صرف دس بارہ آدمیوں نے پڑھا ہو مگر ان میں سے سات آٹھ ایسے نکل آئیں جنہوں نے اس کا اثر قبول ہی نہ کیا ہو بلکہ آگے بے شمار انسانوں تک اسے پہنچا بھی دیا ہو۔ لہٰذا اس سلسلے کے مقاصد کا پورا ہونا بھی اللہ

رب العٰلمین ہی کے سپرد ہے۔ جو خود ہی کام سجھاتا ہے، خود ہی اسے مکمل کرنے کی توفیق اور وسائل عطا فرماتا ہے اور پھر انشاء اللہ خود ہی اسے قبول بھی فرما لیتا ہے۔

پیارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق یہ کتاب مرتب کرنے سے مراد حضورؐ کے سوانح حیات بیان کرنا نہیں ہے جن پر ان گنت کتابیں لکھی جا چکی ہیں بلکہ یہاں بھی مقصد وہی ہے کہ دلوں میں حضورؐ کی سچی محبت اور حضورؐ کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنے کا اشتیاق پیدا ہو اور یہ حقیقت ذہن نشین ہو کہ انسان کی آخرت کی بھلائی کے علاوہ اس دنیوی زندگی کا سکھ چین بھی اسی پر منحصر ہے کہ زندگی گزارنے کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں "دین اسلام" کی شکل میں عطا فرمایا ہے اس پر پوری وفاداری اور سچی قلبی محبّت سے عمل پیرا ہونے کی سعی کرتے رہیں۔

جہاں تک حضورؐ سے محبّت کرنے کا تعلق ہے۔ مسلمانوں سے بڑھ کر کس ملّت نے اپنے نبی کو چاہا ہوگا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اب یہ محبت خالی ڈھانچ ہو کر رہ گئی ہے جس میں وہ روح موجود نہیں جو محبّت کے دعویٰ کو سچا ثابت کر سکتی ہو۔ جو لوگ ان پڑھ ہونے کے باعث دین کا مطالعہ نہیں کر سکتے یا حالات نے انہیں دینی تعلیمات سے اتنا دور رکھا ہوتا ہے کہ ان سے دین کی روح کو سمجھنے کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی وہ تو رہے ایک طرف اچھے پڑھے لکھے اور بظاہر دین پسند لوگ بھی اس حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں کہ محبّت کا پہلا تقاضا اطاعت ہے:

ہماری زندگیاں حضورؐ کی سنت کی پیروی سے جتنی خالی ہو چکی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔

سورۃ النساء آیت ۶۴ میں ارشاد ہوا ہے ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط

"ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت کی جائے"۔

لہٰذا یہ محبت جو زبانی جمع خرچ سے آگے نہیں بڑھتی ہرگز ایسی محبت نہیں جس پر انسان مطمئن ہو کر بیٹھ جائے ۔ لہٰذا موجودہ کتاب میں حضورؐ کے بارے میں انہیں موضوعات پر مواد اکٹھا کیا گیا ہے جو دلوں میں حضورؐ کے لیے وہ محبت پیدا کریں جو اطاعت پر ابھارے ۔ حضورؐ کے حلیہ مبارک ، رفتار و گفتار ، غذا ، لباس ، وغیرہ کا ذکر بھی اسی لیے کیا گیا ہے کہ واقفیت کی زیادتی محبت اور اطاعت کی زیادتی کا باعث بنے ۔ آپؐ کے معجزات ، آپؐ کا رتبہ بلند ، آپؐ کا اعلیٰ اخلاق ، آپ کا آخری مرض اور وصال وغیرہ موضوعات کو بھی اسی مقصد کے پیش نظر چنا گیا ہے کہ پیار بڑھے اور اطاعت کا جذبہ تیز ہو ۔

مسلمانوں کو حضورؐ سے جو بے پناہ محبت تھی اس نے اہل اسلام کی تمام زبانوں کے ادب میں ایک نئی صنف کا اضافہ کر دیا ہے جسے "نعت" کہا جاتا ہے ۔ اور جس کا مقصد یہی ہے کہ حضورؐ کے اوصاف عالیہ بیان کیے جائیں ۔ اور اپنی محبت کا اظہار کیا جائے ۔ ایسے ہی اپنے شدید جذبۂ اطاعت و پیروی ہی کے باعث مسلمان ایک نئے علم کو پیدا کرنے کا باعث بنے ہیں ۔ اور وہ علم بھی ایسا ہے جس کی مثال پہلے موجود نہ تھی یعنی "علم حدیث" جس میں حتی الامکان حضورؐ کی ہر ہر حرکت اور ہر ہر قول کو محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ فن نعت گوئی اور علم حدیث مسلمانوں کی خصوصیات میں سے ہیں ۔ اور کسی اور قوم کے ادب میں نہیں ملتیں ۔

یہ ہماری بے نصیبی کی انتہا ہوگی کہ فن نعت گوئی تو موجود رہے مگر مسلمانوں کی حب رسولؐ

بے عملی کے باعث ٹھٹھر کر رہ جائے اور ایک بے روح ڈھانچ کی شکل اختیار کر لے ، اور علم حدیث کو تو اہمیت حاصل رہے مگر جو بزرگ ہستی اس علم کا موضوع ہے اس کی پیروی اور اطاعت کا جذبہ غفلت کا شکار ہو جائے ۔

اس سلسلۂ کتب سے اصل مقصد خدا ، خدا کے دین اور خدا کے رسولؐ کی محبت سے دلوں کو معمور کرنے اور ان کے احکام کی اطاعت کرنے کے اشتیاق کو ابھارنے کی کوشش کرنا ہے ۔ ظاہر ہے کہ انسان کوشش بھی نہیں کر سکتا جب تک خدا تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہو ۔ لہٰذا اب جب یہ سلسلہ توفیق الٰہی اپنی تکمیل کو پہنچ گیا ہے اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر ہے کہ اس نے اسے مکمل کرنے کی توفیق بخشی اور اسی کے حضور میں عاجزانہ التماس ہے کہ وہ اسے شرف قبولیت بھی بخشے اور اسے پڑھنے والوں کے لیے نافع بھی بنائے ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ آمین !

بنت الاسلام

اِنسانیت کے سب سے بڑے محسن

سورۃ الاعراف آیت ۱۵۶ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ج سزا تو میں جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ط مگر میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

"جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب (لوح محفوظ) میں یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آئے گی اور یہ (کتاب) عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ کے پاس موجود ہے"۔ (مسلم)

جس ارحم الرّاحمین کی رحمت اتنی وسیع ہے اس سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی تھی کہ وہ انسان کو پیدا کر کے پھر اسے یونہی چھوڑ دیتا کہ اب اچھی زندگی گزارنے اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کا طریقہ اپنی عقل سے کام لے کر خود ہی معلوم کر لو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل زندگی گزارتے ہوئے انسان کی بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ عقل ایک خاص حد تک ہی کام کر

سکتی ہے، اس کے آگے کے حالات معلوم کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ وہ یہ نہیں بتا سکتی کہ جب کوئی انسانی جسم مر جاتا ہے تو پھر اس جسم میں بسنے والی روح کہاں جاتی ہے اور اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے جو لوگ صرف عقل ہی پر انحصار کرتے ہیں انہوں نے اس کا آسان جواب سوچ لیا ہے کہ جب جسم مر گیا تو سب کچھ ختم ہو گیا اب آگے کچھ بھی نہیں مگر یہ دعویٰ ایسا ہے جس کے ساتھ کوئی مطمئن کر دینے والی دلیل موجود نہیں۔ بڑے سے بڑا دہریہ بھی دلیل کے ساتھ یہ ثابت نہیں کر سکا کہ جسم کے ساتھ ضرور روح بھی ختم ہو ہی جاتی ہے۔ اگر عقل کو معلوم نہیں کہ جسمانی موت کے بعد روح کا کیا بنتا ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ جسم کی موت کے بعد روح کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ اس کے بجائے یہ اعلان کر دینا کہ روح ضرور مر ہی جاتی ہے بے دلیل دعویٰ ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے عقل کو انسان کے لئے ایک مفید مددگار تو بنایا ہے مگر اپنے بندوں کو صرف عقل ہی کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے اعلیٰ وارفع اور قابلِ اعتماد رہنما بھی بہم پہنچایا ہے جو عقل کی طرح کسی خاص حد پر جا کر رک نہیں جاتا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے اور ہر ہر مرحلے پر اسے امداد بہم پہنچاتا ہے۔ یہ رہنما جانتا ہے کہ موت سے پہلے انسان کیا اعمال کرے تو اسے دین اور دنیا دونوں کی کامیابی حاصل ہوگی۔ اور موت کے بعد اس نے کہاں کہاں جانا ہے اور اسے کیا کیا معاملات پیش آنے ہیں یہ رہنما وہ الہامی تعلیمات ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے ذریعے بھیجتے رہے ہیں اور جو جنابِ رسولِ مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اپنی تکمیل کو پہنچیں اور جن کا نام "دین" ہے۔

دین ہمیں بتاتا ہے کہ جسم کے مر جانے سے روح نہیں مرتی بلکہ وہ عالمِ برزخ داخل ہو جاتی ہے۔ جہاں اس نے قیامت تک رہنا ہے۔ یہ برزخ کی زندگی

کتنی لمبی ہوگی اس کا اندازہ لگانے کے لیے یہ یاد کرلیں کہ حضرت آدمؑ کے بیٹے ہابیل اور قابیل ابھی تک یہی زندگی گزار رہے ہیں اور قیامت آنے تک گزارتے رہیں گے۔ پھر قیامت کے بعد انسان کو ایک ایسی زندگی ملے گی جس کا کوئی دوسرا کنارہ نہیں جہاں جاکر اس نے ختم ہونا ہو۔

اب انسان کی عقل جس نے موت ہی پر اس کا ساتھ چھوڑ دینا ہے آخر اس کی لے پناہ لمبی برزخ کی زندگی اور آخرت کی دائمی زندگی میں کیا امداد دے سکتی ہے۔ اس کے برعکس دین انسان کا ایک ایسا دہنما اور مددگار ہے جو اسے اس دنیوی زندگی میں بھی امداد بہم پہنچاتا ہے جو پیدائش سے لیکر موت تک چلتی ہے، پھر برزخ کی زندگی میں بھی اس کا مددگار رہتا ہے جو موت سے لیکر قیامت تک چلتی ہے اور اس کے بعد اس کی اُخروی زندگی میں بھی اس کا ہمدم و دمساز ہوتا ہے جو قیامت سے شروع ہو کر پھر ہمیشہ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

لہٰذا حقیقت پسندی اور انصاف سے کام لیں تو پتہ چلتا ہے کہ خدا کے بعد انسانوں کے سب سے بڑے محسن انبیائے کرام ہیں۔ جو انہیں زندگی گزارنے کا وہ طریقہ سکھاتے ہیں جو ان کی دنیا کی زندگی میں بھی انہیں سکھ اور سکونِ قلب عطا کرتا ہے اور ان کی برزخ کی زندگی کو بھی امن و راحت کی زندگی بناتا ہے اور ان کی دائمی اُخروی زندگی میں بھی ان کے لئے ابدی نجات کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ عقل انسان کے لیے ایسا کامیاب طریقہ زندگی تجویز کرنے سے عاجز محض ہے، کیونکہ وہ تو موت کے بعد کے حالات کے متعلق کچھ بھی اندازہ نہیں لگا سکتی۔ یہی نہیں بلکہ اس دنیوی زندگی میں بھی اس کے اندازے ہمیشہ درست ثابت نہیں ہوتے۔ سید ابوالحسن علی ندوی اپنی

تصنیف "منصب نبوت اور اس کے عالی وقار حاملین" کے صفحہ ۱۵ میں بنی نوع انسان پر انبیائے کرام کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آج دنیا میں جتنے بھی بلند انسانی اقدار، لطیف و نازک احساسات بہترین و بلند اخلاقی تعلیمات، صحیح و نفع بخش علوم یا باطل سے ٹکرانے کے عزائم پائے جاتے ہیں ان تمام کی تاریخ کا سلسلہ وحی آسمانی، انبیاء کی تعلیمات، ان کی دعوت و تبلیغ، ان کے مجاہدات اور ان کے پرخلوص اصحاب و متبعین ہی پر ختم ہوتا ہے۔ اور دنیا ازل سے ابد تک ان کے دسترخوان کی ریزہ چینی پر مجبور رہی ہے انہیں کی پھیلائی ہوئی روشنی میں قدم بڑھاتی رہی ہے اور ان کی تعمیر کی ہوئی محکم عمارت کے سائے میں سر چھپاتی اور زندگی گزارتی رہی ہے اور رہے گی۔ ان مقدس نفوس پر ہزاروں ہزار بار درود و سلام۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے"

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کیا جاتا ہے تو کامیابی کی اصل ضمانت یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ کام کرتے ہوئے مشقت کتنی کی گئی ہے بلکہ یہ ہوتی ہے کہ کام کو کیا کس انداز سے گیا ہے۔ اگر کام کو اچھے انداز سے کیا جائے تو تھوڑی مشقت سے زیادہ نتائج نکل آتے ہیں لیکن اگر اسے بے ڈھنگے پن سے کیا جائے تو عین ممکن ہے کہ بہت زیادہ مشقت اٹھانے کے بعد بھی نتائج بہت کم نکلیں۔ انبیاء کا انسانیت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے خدا کے حکم سے انسانوں کو

زندگی گزارنے کا وہ طریقہ بتایا جس پر چل کر انسان نسبتاً کم مشقت کر کے بہت زیادہ کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر بہت زیادہ مہربان ہونے کے باعث ایک لمحے کے لئے بھی اسے صرف عقل کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا تھا۔ سب سے پہلا انسان جو کرۂ ارض میں آیا ایک نبی تھا۔ اور اسے امداد بہم پہنچانے کے لئے خدا کا دین اُسکے ساتھ رہا۔ پھر بعد کے زمانے میں بھی انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے وحی الٰہی کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آج سے چودہ سو برس پہلے دین کو مکمل کر دیا گیا تو پھر مزید انبیاء کا آنا موقوف ہوگیا مگر انبیاء کی لائی ہوئی تعلیم اپنی مکمل شکل میں موجود ہے اور انسانوں کو ابدی کامیابی کی راہ دکھانے کے لئے ہمیشہ موجود رہے گی۔

انسان کو سیدھی راہ کی طرف لے جانے کی کوشش کرنا دنیا کا معزز ترین کام ہے اور انبیاء کا بزرگ طبقہ جو اس معزز کام کو سرانجام دیتا رہا ہے انسانوں کا معزز ترین طبقہ ہے یہ ایسے نیک نیت، نیکوکار، بے غرض، سیر چشم اور انسانیت کے سچے خیر خواہ لوگ تھے کہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کی خاطر ہر طرح کی جسمانی اور ذہنی اذیتیں سہتے رہے اور کبھی انسانوں سے اس کا اجر نہ مانگا۔ وہ انسانوں ہی میں سے تھے مگر اتنے بلند کردار کے مالک تھے کہ عام انسانوں میں سے کوئی ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

دین اور دوسرے طریقہ ہائے زندگی کا فرق:

اگرچہ عام انسانوں میں بھی ایسے بہت سے لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے عقل اور سوچ سمجھ سے کام لے کر انسانوں کے لیے زندگی گزارنے کے بہت سے طریقے سوچے ہیں اور اس وقت دنیا میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو انبیاء کی لائی ہوئی

تعلیمات پر عمل کرنے کے بجائے ان طریقوں کو رہنما بنائے ہوئے ہیں جو انسانوں کے ذہن سے نکلے تھے۔ مگر جہاں تک انسان کے پائیدار فائدے کا تعلق ہے انبیاء کے لائے ہوئے دین اور انسانوں کے سوچے ہوئے طریقہ ہائے زندگی کا آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہی ہے کہ زندگی گزارنے کے جو طریقے انسانی ذہن کی پیداوار ہیں ان میں عقل ہی پر بھروسہ کیا گیا ہے جو ایک حد پر جا کر رُک جاتی ہے اس کے برعکس انبیاء جو دین لے کر آتے رہے اور جو آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا وہ خالق کائنات کی طرف سے تھا جس کا علم ہر شے پر محیط ہے اور جس کے آگے آخرت بھی اسی طرح کھلی ہوئی اور واضح ہے جیسے دنیا۔ اب انسانی زندگی چونکہ دنیا اور آخرت دونوں میں پھیلی ہوئی ہے اس لئے اس کے مسائل حل کرنے کے لیے وہ طریقے ناقص ثابت ہوتے ہیں جو اس عقل کی بنا پر سوچے گئے ہوں جو ایک خاص حد پر جا کر رُک جاتی ہے۔

پھر انسان طبعاً ایسا ہے کہ عموماً افراط اور تفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے اس بات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا محال ہوتا ہے کہ کونسا عمل اس کی زندگی میں فی الحقیقت کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ انسانی ذہن کے سوچے ہوئے طریقہ ہائے زندگی میں کہیں کم اہم چیزوں پر ضرورت سے زیادہ زور دے دیا گیا ہے اور کہیں اہم اور ضروری چیزوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس دین چونکہ اس کائنات اور خود انسان کے خالق کی طرف سے آیا ہے اس میں ہر عمل کو ٹھیک ٹھیک اتنی ہی اہمیت دی گئی ہے جتنی انسان کے فائدے کے لئے ضروری تھی۔

اس کے علاوہ انسان اپنے ماحول سے بھی لازماً متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ

زندگی گزارنے کے جو طریقے انسانوں نے سوچے ہیں ان پر عموماً مقامی چھاپ گہری ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ دنیا میں ہر جگہ، ہر عہد اور ہر ماحول میں یکساں مفید ثابت نہیں ہونے۔ اس کے برعکس دین اس مالک کا بھیجا ہوا ہے جو کسی جگہ محدود نہیں بلکہ ہر جگہ، ہر عہد اور ہر ماحول میں موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا بھیجا ہوا دین ہر جگہ، ہر عہد اور ہر ماحول میں یکساں مفید ثابت ہوتا ہے۔

پھر انسان اعمال کے فوری نتائج کو تو دیکھ لیتا ہے اور کچھ دیر بعد نکلنے والے نتائج کا بھی کچھ اندازہ لگا لیتا ہے مگر اعمال کے جو نتائج ایک لمبے عرصے کے بعد برآمد ہونے والے ہوتے ہیں ان تک اس کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا انسانوں کے سوچے ہوئے طریقہ ہائے زندگی میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو فوری طور پر تو فائدہ مند نظر آتی ہیں مگر ایک عرصے کے بعد ان کے اثرات انتہائی مضر ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس دین کو بھیجنے والے علیم و حکیم کی نگاہ کے سامنے ماضی، حال، مستقبل سب یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس کے بھیجے ہوئے دین میں ایسے اعمال کا حکم فرمایا گیا ہے جن کے فوری نتائج اگر کبھی پریشان کن ہوں تو بھی انجام کار ان سے انسان بے پناہ فائدہ ہی حاصل کرتا ہے اور ویسے تو ان کے فوری نتائج بھی خوشگوار ہی ہوتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ کوئی انسان جب بنی نوع انسان کو کوئی مفید چیز دیتا ہے تو پھر وہ عموماً اپنی ذات کو اونچا کرنے کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ اس کے برعکس انبیاء کی تمام کوششوں اور مشقتوں کا مقصد اللہ کی خوشنودی کا حصول ہوتا تھا۔ وہ انسانوں سے اجر نہیں مانگا کرتے تھے۔ نہ مال و دولت کی شکل میں، نہ عہدہ و جاہ کی شکل میں، نہ عزت و احترام کی شکل میں، نہ محبت اور ہر دلعزیزی کی شکل میں غرضکہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین اور انسانوں کے سوچے ہوئے طریقہ ہائے

زندگی میں اور خدا کے انبیاء اور عام دنیادی رہنماؤں میں جو بنیادی فرق ہے اس کے باعث انسان کے سوچے ہوئے طریقہ ہائے زندگی میں

کہیں کوتاہی ہوتی ہے،

کہیں افراط و تفریط ہوتی ہے۔

کہیں خودغرضی ہوتی ہے،

کہیں کوتاہ بینی ہوتی ہے،

اور وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں ہدایات بہم نہیں پہنچاتے۔

اس کے برعکس خدا کا بھیجا ہوا دین۔

افراط و تفریط، کوتاہی اور کوتاہ بینی سے پاک ہے،

اس میں ایک معتدل راہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے،

اس میں سب افراد، طبقات اور گروہوں کو ان کے پورے پورے حقوق دیئے گئے ہیں۔ اس کے احکام عموماً فوری طور پر بھی مفید ثابت ہوتے ہیں اور انجام کار بھی،

اور وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں ہدایات بہم پہنچاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر جو بے پناہ مادی اور روحانی انعامات نازل فرمائے ہیں ان میں اس انعام کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ اللہ نے انسان کو سیدھی راہ دکھانا اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ کیونکہ انسان کی نفسیات، اس کائنات میں اس کی حیثیت اور اس کی پُرپیچ زندگی یہ سب باتیں ایسی تھیں کہ زندگی گزارنے کے لئے کوئی پوری پوری درست راہ معلوم کر لینا اس کی عقل کے بس کی بات نہ تھی۔

وحی :

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعے انسانوں کو ہدایت دینے کے

بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے رُو در رُو بات نہیں کرتا بلکہ انسانوں ہی میں سے بعض انسانوں کو چُن کر اپنے نبی بنا لیتا ہے اور پھر ان انبیاء کے ذریعے انسانوں کو ہدایت بہم پہنچاتا ہے۔ انبیاء کو خدا کے پیغام فرشتے کے ذریعے پہنچائے جاتے ہیں اور انبیاء پھر ان پیغامات کو انسانوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ ذیل کی آیات میں انہیں حقائق کو واضح فرمایا گیا ہے!

"کسی بشر کا یہ مرتبہ نہیں کہ اللہ براہِ راست اُس سے بات کرے سوائے اس کے کہ وہ بات وحی یا پردے کی اوٹ سے ہو، یا وہ کوئی فرشتہ بھیجے اور وہ رسول کو اللہ کے حسب اجازت اس کے منشا سے آگاہ کرے۔ یقیناً اللہ بلند اور حکمت والا ہے۔"
(الشوریٰ ۵۱)

"اور یہ قرآن رب العلمین کی طرف سے نازل ہوا ہے جسے امانت دار فرشتہ لے کر آپ کے قلب پر اُترا ہے تاکہ آپ کھلی عربی زبان میں ڈرانے والوں میں سے ہوں۔" (الشعراء ۱۹۲ تا ۱۹۵)

"وہ (اللہ) فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ تم یہ اعلان کر دو کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں، تو مجھی سے ڈرو۔" (النحل ۲)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ انبیاء انسانوں کو جو کچھ پہنچاتے ہیں وہ اپنے دل سے نہیں بناتے بلکہ اللہ ہی کے پیغامات پہنچاتے ہیں۔ سورۃ الاحقاف آیت ۹ میں فرمایا گیا ہے۔

"(اے نبیؐ ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میں کوئی نرالا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تمہارے

ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے اور میں ایک صاف صاف ڈرانے والے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں۔

لہٰذا انسانوں کا فرض ہے کہ انبیاء کی اطاعت کریں، کیونکہ انبیاء کی نافرمانی کرنا خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے۔

"(اے نبیؐ ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔ اور خدا بڑا بخشنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے۔"

(آل عمران ۳۱)

انبیاء کی اطاعت کرنے کے علاوہ ان کا پورا پورا احترام کرنا اور ان سے محبت رکھنا بھی لازمی ہے۔

"تاکہ (اے لوگو) تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس کا (یعنی رسولؐ کا) ساتھ دو اور اس کی تعظیم و توقیر کرو۔۔۔۔۔"

(الفتح ۹)

"(اے نبیؐ ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب، اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔" (التوبہ ۲۴)

غرضکہ بنی نوع انسان کے درمیان انبیاء کا رتبہ سب سے زیادہ بلند ہے اور وہ سب سے زیادہ اطاعت، تعظیم اور محبّت کے مستحق ہیں۔

آخری نبیؐ :

جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ برابر انبیاء کو بھیجتے رہے یہاں تک کہ رسولِ مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دین کی تکمیل ہو گئی۔ حضور نے انسانوں کو ہر وہ بات بتا دی جسے جاننا ضروری تھا۔ لہٰذا اب قیامت تک جس نے بھی ہدایت حاصل کرنی ہو گی اس کے لئے ضروری ہے کہ خدا پر ایمان لانے کے بعد تمام انبیاء پر بھی ایمان لائے اور اس دین کو دستور زندگی بنالے جو حضورؐ لے کر آئے تھے۔

جب کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے تو اسے کلمہ پڑھایا جاتا ہے۔ کلمے میں دو گواہیاں ہیں : ایک خدا کے واحد معبود ہونے کی اور دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کا رسول ہونے کی۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

یعنی میں گواہی دیتا ہوں (یا دیتی ہوں) کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں (یا دیتی ہوں) کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں۔

توحید و رسالت پر ایمان لانے کی فرضیت اور اہمیت کو سمجھنے کے لئے ذیل کی احادیث پر اچھی طرح غور کر لینا انشاء اللہ مفید ثابت ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے ایک شخص کو سب لوگوں کے سامنے پکارا جائے گا۔ پھر اس کے لئے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے (جن پر اس کے گناہ لکھے ہوں گے) ہر دفتر اتنا لمبا ہوگا جہاں تک نگاہ جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ (اُسے) فرمائے گا کہ کیا تجھے ان (دفتروں میں لکھے ہوئے گناہوں) میں سے کسی کا انکار ہے۔ وہ عرض کرے گا کہ نہیں اے میرے رب (اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ) کیا میرے لکھنے والے محافظوں (یعنی اعمال لکھنے والے فرشتوں) نے تجھ پر کوئی ظلم کیا ہے (کہ کوئی گناہ تو نے نہ کیا ہو مگر انہوں نے لکھ دیا ہو) پھر (اللہ تعالیٰ اس سے) فرمائے گا کہ کیا ان برائیوں کے مقابلے میں تیرے پاس کوئی نیکی بھی ہے۔ وہ شخص ڈر جائے گا۔ اور کہے گا کہ نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیوں نہیں، ہمارے ہاں تو تمہاری کچھ نیکیاں ہیں، اور آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا۔ پھر اس کے لیے ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں لکھا ہوگا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں) وہ عرض کرے گا کہ اے میرے ربّ، ان دفتروں کے سامنے اس پرچے کی کیا حیثیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ پر ظلم نہیں ہوگا۔ پھر ان دفتروں کو (ترازو کے) ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور اس پرچے کو دوسرے پلڑے میں۔ پس وہ دفتر ہلکے ٹھہریں گے اور وہ پرزہ (اُن کے مقابلے میں) بھاری ہوگا۔ (ابن ماجہ)

انسان کی دنیوی اور اخروی زندگی کی کامیابی کے لیے اصل فیصلہ کن چیز یہ ہے کہ اس کے عقیدے درست ہوں، یعنی وہ خدا کی ذات اور صفات

پر سچے دل سے ایمان رکھتا ہو اور اس بات پر بھی ایمان رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے جن کا سلسلہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ختم ہو گیا، جو انسان کو ایک مکمل دین عطا فرما گئے ہیں۔ اب جو شخص ان بنیادی عقائد پر سچے دل سے ایمان رکھتا ہو پھر بتقضائے بشریت اس سے گناہ بھی سرزد ہوں تو بلاشبہ اُسے قابلِ مذمّت سمجھا جائے گا، تاہم اگر اس کے گناہ حدّ و حساب سے بھی بڑھ جائیں تو بھی وہ گنہگاری کے اس درجے تک نہیں پہنچے گا جس درجے تک وہ اس صورت میں پہنچے گا کہ وہ ان بنیادی عقیدوں پر ایمان ہی نہ رکھتا ہو۔ یعنی توحید و رسالت پر ایمان نہ رکھنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے مقابلے میں دنیا جہان کے گناہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ بنی نوع انسان کی آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا کو بھی برباد کرنے اور انسانیت کو اذیتوں کا شکار بنانے میں جو حصّہ شرک و کفر نے ادا کیا ہے وہ دنیا کے تمام گناہوں نے مل کر بھی ادا نہیں کیا۔ دوسرے الفاظ میں توحید و رسالت پر ایمان رکھنا اتنی بڑی نیکی ہے اور انسانیت کے لئے اتنی زیادہ نفع بخش شے ہے کہ دنیا کے تمام گناہوں کا وزن اس نیکی کے وزن کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ یہی حقیقت ہے جس کو دل و جان سے زیادہ پیارے نبی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انتہائی نفیس انداز میں مندرجۂ بالا حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ یہی مضمون حضورؐ کی ذیل کی احادیث میں بھی ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سواری پر سوار تھے اور حضرت معاذؓ بن جبلؓ آپؐ کے پیچھے سوار تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اے معاذ۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ لبّیک یا رسول اللہؐ وسعدیک (یعنی یا رسولؐ اللہ میں آپؐ کی خدمت کیلئے بار بار حاضر ہوں) حضورؐ نے (پھر)

فرمایا کہ اے معاذ رضؓ، حضرت معاذ رضؓ نے (پھر) عرض کیا کہ لبیک یا رسول اللہ وسعدیک۔ حضورؐ نے (تیسری دفعہ) فرمایا کہ اے معاذ رضؓ، حضرت معاذ رضؓ نے (بھی تیسری دفعہ) عرض کیا کہ لبیک یا رسول اللہ وسعدیک (اب) حضورؐ نے فرمایا کہ جو بندہ بھی اس بات کی گواہی دے گا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اللہ اسے آگ پر حرام کر دے گا۔ حضرت معاذ رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا میں یہ بات (لوگوں کو) بتا نہ دوں تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پھر وہ اسی پر بھروسہ کر لیں گے۔ (اور عمل چھوڑ دیں گے۔ لہٰذا حضرت معاذ رضؓ نے لوگوں کو یہ بات نہ بتائی) مگر اپنی وفات کے وقت انھوں نے یہ حدیث بیان کر دی تاکہ وہ (علم چھپانے کے) گناہ سے بچ جائیں۔ (مسلم)

علم کو اس طرح چھپانا کہ وہ ضائع ہو جائے منع ہے۔ اپنی وفات کے وقت حضرت معاذ رضؓ کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ اگر وہ حضورؐ سے سُنی ہوئی اس بات کو بتائے بغیر دنیا سے چلے گئے تو کہیں وہ علم کو چھپانے کے گناہ کے مرتکب نہ سمجھے جائیں۔ لہٰذا انھوں نے وفات سے پہلے یہ حدیث بتا دی۔

حضرت صُنابحی بیان کرتے ہیں کہ میں (صحابیٔ رسولؐ) حضرت عبادہ رضؓ بن صامت کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ وہ وفات پا رہے تھے۔ (اُن کو اس حالت میں دیکھ کر) میں رو پڑا تو انھوں نے فرمایا کہ ٹھہرو، تم کیوں روتے ہو۔ خدا کی قسم اگر مجھ سے گواہی مانگی گئی تو میں ضرور تمہارے حق میں گواہی دوں گا۔ اور اگر میری سفارش قبول کی گئی تو میں ضرور تمہارے حق میں شفاعت کروں گا اور اگر مجھ سے ہو سکا تو میں ضرور تمہیں نفع پہنچاؤں گا۔ پھر انھوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث بھی (ایسی) سُنی جس میں تم لوگوں

کے لیے بھلائی تھی وہ میں نے تم لوگوں کو ضرور سنادی سوائے ایک حدیث کے اور وہ (بھی) میں تمہیں آج، جب کہ میری جان (موت کے) گھیرے میں آئی ہوئی ہے، سُنادوں گا (پھر فرمایا کہ) میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جس نے اس بات کی گواہی دی کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے رسولؐ ہیں۔ خدا نے اس پہ دوزخ حرام کردی۔ (مسلم)

يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ.....

"اے نبیؐ ہم نے آپ کو بھیجا ہے

شَاهِدًا	گواہ بنا کر،
وَّمُبَشِّرًا	اور بشارت دینے والا بنا کر،
وَّنَذِيْرًا ۙ	اور ڈرانے والا بنا کر،
وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ	اور اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر،
وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝	اور روشن چراغ بنا کر۔

(الاحزاب ۴۵، ۴۶)

شَاهِدًا :

شاہد کا مطلب ہے گواہ، تفہیم القرآن میں پیارے نبیؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے

اس وصف کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کو گواہ بنانے کا مفہوم اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے جس میں تین قسم کی گواہیاں شامل ہیں۔

۱۔ قولی گواہی۔

۲۔ عملی گواہی۔

۳۔ اُخروی گواہی۔

قولی گواہی یہ ہے کہ اللہ کا دین جن حقیقتوں اور اصول پر مبنی ہے نبی وضاحت سے اس کی گواہی دیتا رہے اور صاف صاف بتادے کہ یہی درست ہیں اور ان کے برعکس جو کچھ بھی ہے وہ سب غلط ہے۔ اللہ کی توحید، فرشتوں کا موجود اور کائنات کے مختلف کاموں پر متعین ہونا، انسانوں کی ہدایت کے لیے خدا کی طرف سے انبیاء کا بھیجا جانا، موت کے بعد برزخ میں رہنا اور قیامت کے بعد ایک دائمی زندگی کا ملنا، یہ سب کچھ چاہے بعض لوگوں کو کتنا ہی عجیب کیوں نہ معلوم ہوتا ہو مگر نبی علی الاعلان کہے کہ یہ سب کچھ درست ہے۔ ایسے ہی اخلاق، تمدّن، معیشت، معاشرت، سیاست وغیرہ سے تعلق رکھنے والے وہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں انہیں اگر ساری دنیا بھی غلط کہتی ہو تو بھی نبی انہیں علی الاعلان پیش کرے اور انہیں کو درست قرار دے۔ ایسے ہی جن چیزوں کو خدا نے حلال کیا ہو نبی انہیں حلال قرار دے چاہے ساری دنیا انہیں حرام کہتی ہو، اور جن چیزوں کو خدا نے حرام کیا ہے نبی انہیں حرام ہی قرار دے چاہے ساری دنیا انہیں حلال سمجھتی ہو۔ مختصر یہ کہ نبی کے قولی طور پر گواہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ نبی اللہ کے بھیجے ہوئے دین کے ہر ہر حکم کے درست ہونے کا وضاحت سے اعلان کرے چاہے اہلِ دنیا کو وہ پسند ہوں یا ناپسند۔

عملی گواہی یہ ہے کہ نبی جو دین لے کر آیا ہو اس کی اپنی زندگی اس دین کے احکام

کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہو۔ جن اعمال و افعال کو دین نے برائیاں بتایا ہے نبی کی زندگی ان سے پاک ہو۔ اور جن اعمال و افعال کو دین نیکیاں قرار دیتا ہے نبی کی اپنی سیرت میں وہ پوری شان سے جلوہ گر ہوں۔ نبی کی زندگی اپنی لائی ہوئی تعلیمات کا ایسا مکمل نمونہ ہو جسے دیکھ کر ہر شخص معلوم کرے کہ جس دین کی طرف نبی بلا رہا ہے وہ ایسے اعلیٰ پائے کے انسان بناتا ہے۔

اُخروی گواہی یہ ہے کہ آخرت میں جب اللہ کی عدالت قائم ہو تو نبی اس امر کی شہادت دے کہ جو پیغام اس کے سپرد کیا گیا تھا۔ وہ اس نے بے کم و کاست لوگوں تک پہنچا دیا اور اپنے قول اور عمل سے ان کے سامنے حق کو واضح کر دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات کا مطالعہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب تک حضورؐ اس کرۂ ارض میں تشریف فرما رہے "شاہد" ہونے کے پہلے دو تقاضوں کو بدرجۂ اتم پورا فرماتے رہے۔ یعنی اللہ کے دین کی زبان سے بھی گواہی دیتے رہے اور عمل سے بھی۔ جہاں تک اشاعت دین کا تعلق ہے آپؐ کو اپنی ذمہ داری کا احساس اتنا فکر مند رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○	(اے نبی) شاید آپ اس غم میں اپنی جان کھو دیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔
(الشعراء ۲)	

اور جہاں تک دین پر عمل کرنے کا تعلق ہے ایک دفعہ کسی نے حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا کہ کیسا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے۔ مراد یہ تھی کہ حضورؐ کا اخلاق ٹھیک وہی تھا جس کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے۔

اب وہی اُخروی شہادت تو حضورؐ قیامت کے دن خدا کے فضل سے پوری سرخروئی سے اس بات کی گواہی دیں گے کہ آپؐ نے فریضۂ رسالت انجام دیا اور خدا کے دین کو خدا کے بندوں تک پہنچادیا جیسے کہ ذیل کی آیت سے واضح ہے۔

"(اے نبیؐ انہیں اس دن سے خبردار کر دیجئے) جبکہ ہم ہر امت میں خود اُسی کے اندر سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو اُس کے مقابلے میں گواہی دے گا، اور
ان لوگوں کے مقابلے میں گواہی دینے کے لیے ہم آپ کو لائیں گے۔۔۔"
(النحل ۸۹)

مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا :

ایمان کے بارے میں واضح کیا گیا ہے کہ

اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے۔

مراد یہ ہے کہ ایماندار شخص وہ ہے جس کے دل میں خدا کا خوف اور بُرے انجام کا ڈر بھی موجود ہو اور ساتھ ہی وہ اللہ کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہو جب کسی شخص کے دل میں ان دونوں کیفیتوں میں سے کوئی ایک کیفیت اتنی غالب آجاتی ہے کہ دوسری نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے تو اس کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے یعنی اگر کوئی خوف کا اتنا زیادہ شکار ہو جائے کہ اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جائے یا رحمت پر اتنا بھروسہ کرنا شروع کردے کہ خدا کے قہر سے نڈر ہو جائے تو یہ دونوں صورتیں اس کے ایمان کو خراب کریں گی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی قوموں کو بُرے اعمال کے انجام سے ڈراتے بھی رہے ہیں اور اچھے اعمال کے خوشگوار

انجام کی خوشخبری بھی دیتے رہے ہیں ۔

یہاں حضورؐ کو مبشر اور نذیر کے القاب سے سرفراز فرما کر اس بات سے مطلع فرمایا گیا ہے کہ آپؐ لوگوں کو خوش خبری سنانے والے بھی ہیں اور ڈرانے والے بھی یعنی جو دین حضورؐ لے کر آئے ہیں جو اس پر عمل کریں گے نہایت خوشگوار انجام کو پہنچیں گے ۔ اور جو اس کا انکار کریں گے بُرے انجام سے دوچار ہوں گے حضورؐ کی تعلیمات میں جگہ جگہ یہ چیز ملتی ہے کہ جہاں حضورؐ لوگوں کو خدا کا خوف دلاتے اور بُرے انجام سے ڈراتے تھے وہاں انہیں اللہ کی بے پناہ رحمت سے بھی مطلع فرماتے تھے ۔ اور نیک انجامی کی خوش خبری بھی سناتے تھے ۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر مومن کو اس عذاب کا علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو پھر کوئی اس کی جنت کی تمنّا نہ کرے اور اگر کافر کو اس رحمت کا علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہے تو پھر کوئی اس کی جنّت سے نا امید نہ ہو ۔ (مسلم)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدّت اور اس کی رحمت کی انتہا دونوں کا حال بیان فرمایا گیا ہے تاکہ دل میں خوف بھی رہے اور امید بھی قائم ہو ۔ جن لوگوں کے دلوں میں خدا کے عذاب کا خوف اور اس کی رحمت کی امید دونوں موجود ہوتے ہیں ۔ ان کی قلبی کیفیت پھر وہی ہوتی ہے جو حضرت عمرؓ کے ذیل کے ارشاد میں بیان ہوئی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ ساری دنیا جنت میں جائے گی سوائے ایک آدمی کے تو میرے دل میں خوف پیدا ہو جائے گا کہ وہ ایک کہیں میں ہی نہ ہوں ۔ اور اگر مجھے یہ پتہ چلے کہ ساری دنیا دوزخ میں جائے گی سوائے ایک آدمی کے تو مجھے اُمید ہو گی کہ وہ ایک شاید میں ہی ہوں ۔

دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ :

"داعی اِلَی اللہ سے مُراد یہ ہے کہ حضورؐ اُمّت کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید اور اطاعت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ داعیاً اِلَی اللّٰہِ کو بِاِذْنِہٖ کے ساتھ مشروط فرمایا کہ آپؐ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور بُلانے والے اللہ ہی کے اذن و اجازت سے ہیں۔ اس قید و شرط کا اضافہ اس اشارے کے لیے ہے کہ تبلیغ و دعوت کی خدمت سخت دشوار ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اعانت کے بغیر انسان کے بس میں نہیں آسکتی۔"

(معارف القرآن جلد ۷ صفحہ ۱۷۷)

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس معاشرے میں پیدا ہوئے اس کا یہ حال تھا کہ

"عربوں کے اخلاق بھی بہت بگڑ چکے تھے، وہ شراب اور جوئے کے رسیا تھے۔ ان کی قساوت قلبی اور حمیت جاہلی کا اندازہ ان کے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے سے کیا جا سکتا ہے۔ قافلوں کو لوٹنا اور بے گناہوں کو تہہ تیغ کرنا اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔ عورت کی ان کے یہاں کوئی عزت باقی نہ تھی۔ مکان کے دوسرے سامان و اسباب کی طرح یا مویشیوں کی طرح جہاں چاہتی منتقل کی جاتی، یا ورثے میں ملتی۔ کچھ کھانے مردوں کے ساتھ مخصوص تھے، عورتیں اُن کو استعمال نہیں کر سکتی تھیں۔ آدمی جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا۔ بعض لوگ اپنی اولاد کو افلاس اور معاشی پریشانی کے خوف سے

قتل کر ڈالتے تھے۔ قبائلی اور نسلی، خاندانی اور خونی عصبیت اور جنبہ داری بے حد شدید تھی۔ جنگ ان کی گھٹی میں پڑی تھی اور ایک دوسرے کو قتل کرنا ان کے لیے ایک کھیل اور تفریح تھا۔ ایک معمولی واقعہ اکثر بڑی خوں ریز اور طویل جنگوں کا سبب بن جاتا۔ بعض جنگوں کا سلسلہ چالیس چالیس سال چلا۔"

(رحمت جلد اول صفحہ ۴۲)

بلاشبہ ان لوگوں میں بعض خوبیاں بھی موجود تھیں۔ سید ابوالحسن علی ندوی نے ان کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

عرب مضبوط اور آہنی ارادے کے مالک تھے۔ اگر حق بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ اس کے خلاف شمشیر اٹھانے میں بھی کوئی تامل نہ کرتے لیکن اگر حق ان کی سمجھ میں آجاتا تو وہ اس سے دل و جان سے محبت کرتے اور اس کے لیے جان تک دینے میں پس و پیش نہ کرتے۔

یہ لوگ سخت کوش اور سخت جان تھے اور جن نظریات کو اپنا لیتے ان کے لیے پھر ہر قسم کی سختی سہنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

یہ لوگ حقیقت پسند، حلیم الطبع اور صاف گو تھے۔ نہ دوسروں کو فریب دیتے نہ اپنے آپ کو فریب میں رکھنا پسند کرتے۔ سچی اور پکی بات کے عادی اور بات کی لاج رکھنے والے تھے۔

عرب اُن بیماریوں اور خرابیوں سے محفوظ تھے جو تہذیب و تمدن اور تعیش اور آرام طلبی کی پیداوار ہوتی ہیں۔ جن کا علاج بہت دشوار ہوتا ہے اور جو کسی ایمان و عقیدہ کے لیے جان دینے میں حائل ہو جاتی ہیں اور اکثر آدمیوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتی ہیں۔

ان میں صداقت اور شجاعت کی تسندانی تھی، منافقت اور سازش ان کے مزاج سے مناسبت نہ رکھتی تھی، سادہ زندگی کے عادی تھے، سخت قوت مدافعت اور قوت برداشت کے مالک تھے۔ اور اپنے مقصد کی راہ میں جان دے دینے کو معمولی بات سمجھتے تھے۔ تاہم ان تمام خوبیوں کے ساتھ ہی ان میں بڑی گھناؤنی اخلاقی برائیاں بھی موجود تھیں۔ جوئے کا کاروبار اتنا عام ہو چکا تھا کہ نہ صرف یہ کہ اسے بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ جوئے بازی پر فخر کیا جاتا تھا۔ عیش و طرب اور رقص و نغمہ کی محفلیں بکثرت آراستہ ہوتی تھیں اور دور جام چلتا تھا۔ فواحش، ظلم و سفاکی حق تلفی و ناانصافی اور ناجائز کمائی کا عام چلن تھا۔ ظالمانہ انتقام لینے کو فخر کی بات سمجھا جاتا تھا۔ اور دشمن کو معاف کر دینا گویا بڑی ہی کمزوری اور بزدلی کی بات تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ شمالی عرب کے لوگ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھے جو خدا کے نبی تھے۔ پھر یہاں خدا کا گھر تھا جسے وہ اپنا مرکز بھی سمجھتے تھے۔ زمانۂ دراز تک ان کے ہاں بت پرستی کا بھی کوئی وجود نہ تھا۔ یہاں تک کہ ایک شخص عمرو بن لُحیؔ خُزاعی کا دور آیا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے بت پرستی کا آغاز کیا اور حرام و حلال کے وہ قاعدے وضع کئے جو شریعت ابراہیمی میں نہیں تھے۔ اس کے بعد پھر یہاں بت پرستی پھیلتی چلی گئی یہاں تک کہ ان لوگوں کا یہ حال ہو گیا کہ

"بت پرستی جو انہوں نے اپنے پڑوس کی قوموں سے سیکھ لی تھی، دلوں میں گھر کر چکی تھی۔ بتوں سے ان کو ایک قسم کا عشق ہو گیا تھا۔ چنانچہ صرف کعبے کے اندر اور صحن میں ۳۶۰ بت تھے۔ جن میں سب سے بڑا ھُبَل تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ بُت سرخ عقیق کا بنا ہوا تھا۔ انسان کی شکل میں تھا جس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے اُس کی اسی طرح سے پایا تھا۔ اس میں انہوں نے سونے کا ہاتھ لگوا دیا تھا۔ کعبے

کے سامنے دو بت رکھے تھے جن میں ایک کا نام "اساف" تھا دوسرے کا "نائلہ"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مکہ کے ہر گھر میں ایک بت تھا جس کی یہ گھر والے عبادت کرتے تھے۔ عزّیٰ (بت) عرفات کے قریب تھا۔ اور اس پر ایک معبد بنا دیا گیا تھا۔ یہ قریش کے نزدیک تمام بتوں سے زیادہ معزز اور بڑا تھا۔ وہ ان بتوں کے سامنے تیروں سے فال نکالا کرتے تھے۔ الخلصۃ (بت) مکہ کے نشیب میں نصب تھا۔ اس بت کو ہار پہنائے جاتے تھے۔ جو اور گیہوں کا نذرانہ اس کو پیش کیا جاتا تھا۔ اس کو دودھ سے نہلایا جاتا تھا۔ اس کے لیے قربانی کی جاتی تھی اور اس پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے جاتے تھے۔ بت مکہ میں گلی گلی آواز دے کر بیچے جاتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ "

(نبی رحمت جلد اوّل صفحہ ۱۰۰)

ایسے مشرک اور خرافات پسند لوگوں کے لئے یہ قدرتی بات تھی کہ جب انہیں خدائے واحد کی طرف بلایا جاتا اور بتایا جاتا کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ہر انسان کو اپنے اعمال کی جزا و سزا سے دوچار ہونا ہوگا۔ تو وہ ان نئے اور نامانوس نظریات کی شدید مخالفت کرتے۔

نبی بننے کے بعد ابتدائی تین سال تک تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت و تبلیغ کا کام چھپا کر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ۔ ۔ ۔ جس چیز کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے ہانکے پکارے کہہ دیں۔ (الحجر ۹۴)

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ اور کہہ دیجئے کہ میں تو علانیہ ڈرسنانے

والا ہوں۔ (المجس ۸۹)

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝ اور اپنے قریب ترین رشتے داروں کو ڈرائیے۔ (الشعراء ۲۱۴)

اس کے بعد آپؐ نے علانیہ لوگوں کو خدا کی طرف بلانا شروع کر دیا اور پھر جب تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے اپنے اس فریضے کو برابر سرانجام دیتے رہے۔ راستے میں بڑی بڑی جانکاہ مشکلات آئیں۔ یہاں تک کہ دشمنان اسلام نے جان پاک پر حملہ کرنے کی کوششیں بھی کیں۔ مگر خدا کے فرض شناس نبیؐ نے ہر مشکل کو برداشت فرمایا اور زندگی بھر داعی الی اللہ ہونے کے تقاضوں کو برابر پورا کرتے رہے۔ دشمنان دین نے آپؐ کی ہنسی بھی اڑائی، ڈراووں سے بھی کام لیا، آپؐ کے ساتھیوں کو اذیتیں بھی دیں۔ جب دیکھا کہ ان ہتھکنڈوں سے کام نہیں نکلتا تو وفد بنا کر حضورؐ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچے جو آپؐ سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اور آپؐ کی بہت پشت پناہی کرتے تھے۔ کفار نے ان سے درخواست کی کہ اپنے بھتیجے کو منع کر لیجئے ورنہ ہم ایسے اور ایسے کریں گے۔ ابوطالب نے حضورؐ کو بلا بھیجا اور کہا کہ اے میرے بھتیجے آپ کی قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسا ایسا کہہ رہے تھے۔ ذرا میری جان کا بھی خیال کرو اور اپنی جان کا بھی۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میں اٹھا نہ سکوں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو بھی میں اس سے باز نہ آؤں گا یہاں تک کہ اللہ اس کو غالب کرے یا میں اس کی راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔ چنانچہ حضورؐ نے اپنا کام جاری رکھا۔

جب قریش نے دیکھا کہ ان کی تمام مخالفت اور ظلم وستم کے باوجود حضورؐ یہ

ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے تو انہوں نے گفتگو کے ذریعے یہ مسئلہ حل کرنا چاہا۔ ایک شخص عتبہ بن ربیعہ ان کا نمائندہ بن کر حضورؐ سے ملا اور حضورؐ کے سامنے کچھ تجاویز پیش کیں کہ ان میں سے کوئی قبول کر لیجئے۔ تجاویز یہ تھیں کہ

اگر آپ کو مال و دولت مطلوب ہے تو ہم آپ کو اتنا مال فراہم کر دیتے ہیں کہ آپ ہم سب میں سے زیادہ مالدار ہو جائیں۔

اگر عزت و ناموری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔

اگر بادشاہت مطلوب ہے تو ہم آپ کو بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔

اگر کسی خاص گھرانے میں شادی کرنا چاہتے ہیں تو اس کا بھی بندوبست ہو سکتا ہے۔

اور اگر (نعوذ باللہ) آپؐ کو کوئی جنون ہے تو ہم معالج فراہم کر دیتے ہیں۔

ان سب ترغیبات کے جواب میں حضورؐ نے اس کے سامنے سورہ فُصِّلَت کی کچھ آیتیں پڑھیں جنہیں سُن کر وہ اتنا متاثر ہوا کہ واپس جاکر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ اے قریشیو، خدا کی قسم (جو کچھ میں نے سنا ہے) نہ وہ شعر ہے، نہ جادو ہے، نہ کہانت ہے، نہ علم نجوم ہے۔ میری بات مانو تو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔

حضورؐ کے نبی بننے کے دسویں سال ابوطالب اور امّ المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ نے وفات پائی اور اس کے بعد تو آپؐ پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مگر حضورؐ کی خدمتِ دین میں کوئی کمی نہ آئی۔ جب حج کے دن آتے تھے تو عرب کے مختلف علاقوں سے لوگ حج کرنے کے لیے مکۂ مکرمہ آتے۔ حضورؐ نے ان لوگوں کو جاکر خدا کا پیغام سنانا شروع کیا اس سے اسلام مکّہ سے باہر بھی متعارف ہو گیا۔ اور اس کی آواز مدینۂ منوّرہ بھی پہنچ گئی۔ یہاں کے لوگوں نے مکّہ کے لوگوں سے زیادہ جلدی اسلام

قبول کیا۔ اور انہیں لوگوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ حضورؐ مکہ کو چھوڑ کر مدینے تشریف لے آئیں۔ چنانچہ خدا کے حکم سے ہجرت ہوئی اور مسلمانوں کی اکثریت اور خود حضورؐ بھی مدینۂ منورہ چلے گئے۔ تاریخ میں یہ واقعہ ہجرت کہلاتا ہے۔

ہجرت کے بعد اگرچہ مسلمانوں کو اپنا ایک آزاد علاقہ مل گیا تھا جہاں کفّار کی حکومت نہیں تھی تاہم حضورؐ کی مشکلات ختم نہ ہوئیں۔ مدینۂ منوّرہ میں ایک تو یہودی قبائل رہتے تھے جو اسلام کی کامیابی سے بے انتہا جلتے تھے۔ اور دوسرے ایک گروہ ایسے منافقوں کا پیدا ہو گیا تھا جو بظاہر مسلمان مگر دل میں اسلام کے مخالف تھے۔ پھر کفّار قریش سے جنگیں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ اب حضورؐ نے ایک طرف تو ان جنگوں کا بندوبست کرنا ہوتا تھا اور دوسری طرف آپؐ اشاعت اسلام کا کام بھی پوری کوشش اور توجہ سے سرانجام دیتے تھے۔ آپؐ نے صرف عرب کے اندر ہی تبلیغ دین نہ کی بلکہ عرب کے اردگرد کے علاقوں کے بادشاہوں اور امراء کو بھی خطوط لکھے۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ان حکمرانوں میں رومی شہنشاہ ہرقل، ایرانی شہنشاہ کسریٰ پرویز، حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور مصر کے حکمران مقوقس کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضورؐ کو اپنے داعی إلی اللہ ہونے کے تقاضوں کا اتنا احساس رہتا تھا کہ جب آپؐ نے اپنے آخری حج کے موقع پر مسلمانوں کے عظیم الشان مجمع میں اپنا معرکۃ الآرا خطبہ ارشاد فرمایا تو مسلمانوں کو بہت سی ہدایات دینے کے بعد فرمایا

"(خدا کے ہاں) تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے۔

لوگوں نے جواب دیا :

"ہم اس بات کی گواہی دیں گے کہ آپؐ نے (خدا کا) پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا"

اس پر آپؐ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا۔

"اے خدا تو گواہ رہنا
اے خدا تو گواہ رہنا
اے خدا تو گواہ رہنا"

نبی بننے کے بعد حضورؐ کم و بیش تئیس ۲۳ برس زندہ رہے اور اس تمام دوران جسم و جان کی تمام قوتوں کے ساتھ اپنے داعی الی الحق ہونے کے تقاضوں کو پورا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آپؐ کا وصال ہوا تو اسلام سارے عرب میں پھیل چکا تھا۔ اپنے ساتھیوں کی بھی آپؐ نے ایسی تربیت فرمائی تھی کہ آپؐ کے بعد انہوں نے آپؐ کا پیغام دُور دُور پہنچا دیا اور پھر ابھی چند صدیاں ہی ہوئی تھیں کہ اسلام ایشیاء، افریقہ اور یورپ تینوں براعظموں میں پہنچ چکا تھا۔

سِرَاجًا مُّنِیْرًا:

سراج عربی میں چراغ کو کہتے ہیں اور مُنیر نور یعنی روشنی سے ہے۔ سراج منیر کا مطلب ہے روشن کرنیوالا چراغ۔ چراغ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ روشنی پھیلاتا اور اندھیرے کو دور کرتا ہے۔ اس کی روشنی میں راہگیر اپنی صحیح اور سیدھی راہ معلوم کر لیتے ہیں اور اس پر چل کر اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر راہ میں اندھیرا ہو اور چلنے والے کو نظر نہ آ رہا ہو کہ وہ کس طرف جا رہا ہے تو ہر دم اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ وہ اس سیدھی راہ کو چھوڑ کر جو اس کی منزل تک جاتی ہے کسی اور راہ پر چل پڑے گا۔ اور پھر جوں جوں چلتا جائے گا اپنی منزل سے دُور سے دُور تر ہوتا جائے گا۔

اس دنیا میں انسان کا حال بھی ایک راہگیر ہی کا سا ہے جو اپنی نجات کی منزل تک پہنچنے کے لئے چلتا چلا جا رہا ہے۔ اس کی منزل مقصود تک پہنچنے والی

بھی ایک ہی راہ ہے جسے قرآن پاک نے "صراط مستقیم" کہا ہے۔ اس پر چلنے کے لیے بھی کسی چراغ کی ضرورت ہے جو اسے روشن رکھے تاکہ چلنے والے کفر کے اندھیرے میں بھٹک کر کسی ایسی راہ پر نہ چل نکلیں جو انہیں ان کی نجات کی منزل سے دور سے دور تر لیتی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ روشن چراغ ہیں جن کی تعلیمات کی روشنی نے اس صراط مستقیم کو روشن کر رکھا ہے۔ جس نے اس روشنی سے فیض حاصل کیا وہ بخیریت اپنی منزل تک جا پہنچا اور جس نے اس سے لاپرواہی برتی اور کفر کے اندھیروں میں بھٹکتے رہنے پر اصرار کیا وہ پھر بھٹکتا بھٹکتا جہنم کی ہولناک وادیوں میں جا داخل ہوا۔ سورۃ الصّف آیت ۸ اور ۹ میں ارشاد ہوا ہے۔

"یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پھیلا کر رہے گا خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے ......"

حضرت ابوموسیٰ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہدایت اور علم مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اس کی مثال بارش کی سی ہے کہ وہ کسی زمین پر جا برسی۔ اس زمین میں ایک عمدہ حصہ تھا۔ اس نے پانی کو قبول کیا پھر کثرت سے گھاس اور تازہ سبزہ اگایا۔ اور اس زمین میں سخت حصے بھی تھے انہوں نے پانی کو روک لیا پس اُس (رکے ہوئے پانی) سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نفع پہنچایا۔ انہوں نے خود پانی پیا اور (جانوروں وغیرہ کو) پلایا اور کھیتی باڑی کی۔ اور یہ بارش اُس زمین کے ایک اور حصے میں بھی برسی جو صاف چٹیل میدان تھا کہ نہ اس نے پانی روکا اور نہ گھاس اگائی۔ (پھر آپؐ نے فرمایا کہ) یہ مثال اس

شخص کی ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھا اور جو (ہدایت) خدا نے میرے ذریعے بھیجی تھی اس نے اسے نفع دیا۔ اس نے خود (دین کا) علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ اور آخری مثال اس شخص کی ہے جس نے علم دین کی طرف اپنے سر کو بھی نہ اٹھایا اور نہ اس ہدایت کو جو مجھے دے کر بھیجا گیا تھا قبول کیا۔

(بخاری - مسلم)

اس حدیث میں بھی اسی حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ حضورؐ لوگوں کو کامیابی کی راہ دکھانے والے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی تعلیمات پر عمل کیا اور ان کی روشنی میں چلتے رہے وہ کامیاب و بامراد ہوئے اور جنہوں نے اس نور سے منہ موڑا وہ ناکام و نامراد رہے۔ مفسرین اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ حضورؐ کے لئے لفظ "سورج" استعمال کرنے کے بجائے لفظ "چراغ" استعمال کرنے میں یہ حکمت ہے کہ سورج اگرچہ چراغ سے زیادہ روشنی رکھتا ہے مگر کسی اور کو اپنے جیسا روشنی دینے والا بنا نہیں سکتا۔

اس کے برعکس ایک چراغ سے ہزارہا اور چراغ روشن ہو جاتے ہیں اور ان سب میں آگے اور چراغوں کو روشن کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ ایسے ہی حضورؐ سے دین کی روشنی حاصل کرنے والے اور اس روشنی کو آگے دوسروں تک پہنچانے والے حد شمار سے زیادہ ہیں۔

غرضیکہ :

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے ایک لمبے سلسلے کے آخر میں تشریف لائے تاکہ خدا کی مخلوق کو خدا کا آخری پیغام اس کی مکمل شکل میں پہنچا دیں۔ پھر آپؐ کے اس آخری پیغام کو ماننے والے اور اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق

ڈھالنے والے لوگ کیسے تھے" اس کا کچھ اندازہ ذیل کے اقتباسات سے ہوتا ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی اپنی تصنیف "منصب نبوت اور اس کے عالی وقار حاملین" میں صفحہ ۱۸۰ پر فرماتے ہیں:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت اور
رسالت کے ذریعے ایسا صالح فرد پیدا کیا جو
خدا پر ایمان رکھنے والا،
اللہ کی پکڑ سے ڈرنے والا،
دیندار و امانت دار،
دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا،
مادیت کے مظاہر کو نظر حقارت سے دیکھنے والا،
اور ان مادی طاقتوں پر اپنے ایمان اور روحانی قوت سے فتح پانے والا تھا جس کا ایمان اس پر تھا کہ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ آخرت کے لئے بنایا گیا ہے۔

چنانچہ جب یہ فرد تجارت کے میدان میں آتا تو راست باز اور امانت دار تاجر ہوتا۔

اور اگر اس کو فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تو وہ ایک شریف اور محنتی انسان نظر آتا۔

وہ جب کبھی کسی علاقے کا حاکم ہوتا تو ایک محنتی اور بہی خواہ عامل ہوتا،
وہ جب مالدار ہوتا تو فیاض اور غمخوار مالدار ہوتا،
جب وہ مسند قضاء اور عدالتی کرسی پر بیٹھتا تو انصاف دوست اور معاملہ فہم قاضی ثابت ہوتا،

وہ حاکم ہوتا تو مخلص اور امانت دار حاکم ہوتا،

اُسے سیادت و ریاست ملتی تو وہ متواضع اور شفیق اور غمخوار حاکم اور سردار ہوتا۔

اور جب وہ عوام کے مال کا امانت دار بنتا تو محافظ اور صاحب فہم خازن ہوتا۔

پھر سید صاحب صفحہ ۸۲ پر حضورؐ کے اس تربیت یافتہ فرد صالح کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ فرد صالح ہر اس امتحان اور آزمائش میں پورا اُترا جو کمزور پہلوؤں کو ظاہر کر دیتی اور مخفی صلاحیتوں کو جانچتی ہے،

یہ فرد آزمائش کی ان بھٹیوں سے کھرے اور خالص سونے کی طرح نکلا جس میں کوئی کھوٹ اور ملاوٹ نہ تھی۔

اس نے ہر نازک موقع پر قوّت ایمانی، قوّت ارادی، نبوی تربیت کی تاثیر، پاک نفسی و احساس ذمہ داری اور امانت و بے نیازی اور ایثار کا وہ بلند نمونہ پیش کیا جس کی ماہرین نفسیات اور علمائے اخلاقیات اور مؤرخین و ماہرین بشریات توقع بھی نہیں کر سکتے"۔

جس معاشرے میں حضورؐ پیدا ہوئے اس کا جو حال تھا۔ وہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ پھر اسی بگڑے ہوئے معاشرے میں جب وہ شاہد، مبشّر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر مبعوث ہوئے تو پھر اسی معاشرے کے افراد اس حیرت انگیز بلند کردار کے مالک بن گئے جس کا ذکر مندرجۂ بالا سطور میں بیان ہوا ہے۔

نزولِ وحی

جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے نبی بنائے جانے کے بعد حضورؐ کم و بیش ۲۳ برس اس دنیا میں تشریف فرما رہے اس دوران میں آپؐ پر وحی نازل ہوتی رہی اور قرآن پاک کی مختلف آیات وحی کے ذریعے آپؐ کو پہنچائی جاتی رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی وہ پاک کتاب مکمل ہو گئی جو قیامت تک کے لئے انسانیت کو راہِ ہدایت دکھانے والی ہے۔

"وحی کا مطلب ہے اشارہ کرنا، دل میں کوئی بات ڈالنا، خفیہ طریقے سے کوئی بات کہنا، پیغام بھیجنا" (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۴۲۴)

"وحی کے لغوی معنی ہیں اشارہ سریع اور اشارۂ خفی یعنی ایسا اشارہ جو سرعت کے ساتھ اس طرح کیا جائے کہ بس اشارہ کرنے والا جانے یا وہ شخص جسے اشارہ کیا گیا ہو۔ باقی کسی اور شخص کو اس کا پتہ نہ چلنے پائے۔ اس لفظ کو اصطلاحاً اس ہدایت کے لئے استعمال کیا گیا

ہے جو بجلی کو کوندکی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کسی بندے کے دل میں ڈالی جائے۔" (تفہیم القرآن جلد ۴ صفحہ ۴۷۸)

قرآن پاک کے بذریعہ وحی نازل ہونے کا بیان خود قرآن کے اندر کئی جگہ موجود ہے۔

"(اے نبیؐ ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔ اور یہ قرآن میری طرف بذریعۂ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تم لوگوں کو، اور جس جس کو یہ پہنچے، سب کو متنبّہ کر دوں۔"

(سورۃ الانعام ۱۹)

"(اے نبیؐ) جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے سے بھیجی ہے وہی حق ہے، تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے تھیں۔ (فاطر ۳۱)

"(اے نبیؐ) پس آپؐ اس (کتاب) کو مضبوطی سے تھامے رہیں جو وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجی گئی ہے بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں" (الزخرف ۴۲)

تاریخی واقعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وحی الٰہی کو لکھنے کے لیے کاتب بھی معین کئے گئے تھے۔ جب حضورؐ پر وحی نازل ہوتی آپؐ کسی کاتب کو بلاتے اور وہ اُن آیات کو لکھ لیتا جو وحی کی گئی ہوتیں۔ کاتبان وحی میں سے حضرت زیدؓ بن ثابت کا نام خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔

جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم پر وحی نازل ہونے کے بارے میں جو احادیث آئندہ اوراق میں بیان ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ پر وحی کا نزول مختلف طریقوں سے ہوتا تھا جن میں ایک خاص طریقہ یہ تھا کہ

وحی آپؐ کے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی اور جب یہ کیفیت ختم ہوتی تو آپؐ وہ سب کچھ اخذ کر چکے ہوتے جو آپؐ تک پہنچایا جاتا۔ نزولِ وحی کے اس طریقے سے آپؐ پر بہت مشقت پڑتی تھی۔ چہرۂ مبارک سرخ ہو جاتا۔ سخت سردی کے دن بھی پیشانی مبارک پر پسینہ آ جاتا۔ ایسے ہی نزول وحی کے دوران آپؐ کے جسم مبارک کا وزن بہت زیادہ بڑھ جایا کرتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں جب حضورؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ وحی کے الفاظ کو ساتھ ساتھ دہرانے کی کوشش فرماتے تھے تاکہ وہ یاد ہو جائیں اور یہ صورت آپؐ کے لیے بہت سخت ہوتی تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہدایت فرما دی کہ جب وحی نازل ہو رہی ہو تو آپ بس اُسے غور سے سنتے رہا کریں۔ یہ ہمارا ذمہ ہے کہ آپ بعد میں اسے بیان کر لیا کریں گے۔ لہٰذا اس کے بعد پھر جب وحی نازل ہوتی تو آپؐ خاموشی سے اسے سنتے رہتے اور جب یہ کیفیت ختم ہوتی تو حضورؐ کو وہ سب کچھ یاد ہو چکا ہوتا جو وحی کیا جاتا۔ اب ذیل میں وہ احادیث بیان کی جاتی ہیں جن میں حضورؐ پر وحی نازل ہونے کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی گئی ہے۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت حارثؓ بن ہشام نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ، آپ پر وحی کیسے آتی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو وہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ انداز وحی مجھ پر سب سے زیادہ شاق گزرتا ہے۔ پھر جب یہ کیفیت ختم ہوتی ہے تو میں وہ یاد کر چکا ہوتا ہوں جو (جبرئیلؑ) نے کہا ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ میرے پاس انسان کی شکل میں آتا ہے اور مجھ سے گفتگو کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا

ہے اُسے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے شدید سردی کے دن (بھی) آپؐ پر وحی نازل ہوتے دیکھی تو جب آپؐ سے وہ کیفیت دور ہوتی تو (اس کی شدت اور سختی کے باعث) آپؐ کی پیشانیٔ مبارک سے پسینہ بہہ رہا ہوتا۔ (بخاری)

حضرت عبادہؓ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ پر سختی ہوتی اور آپؐ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل جاتا۔ (مسلم)

حضرت عبادہؓ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ اپنا سرِ مبارک جھکا لیتے اور آپؐ کے اصحابؓ بھی اپنے سر جھکا لیتے۔ پھر جب وحی ختم ہو جاتی تو آپؐ اپنا سَر اٹھا لیتے۔ (مسلم)

حضرت یَعلیٰؓ بن اُمیّہ حضرت عمرؓ بن خطاب سے کہا کرتے تھے کہ کاش کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھوں جب آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہو لہٰ پھر ایک سفر کے دوران جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جِعِرَّانہ (کے مقام) پر تھے اور آپؐ پر ایک کپڑے سے سایہ کیا گیا تھا اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کے اصحابؓ میں سے کچھ لوگ تھے جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے تو ایک شخص آپؐ کے پاس آیا جس نے ایک جُبّہ پہنا ہوا تھا اور وہ خوشبو میں بسا ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، آپؐ کیا حکم دیتے ہیں۔ اس شخص کے بارے میں جو ایک جُبّے میں عمرے کا احرام باندھے بعد اس کے کہ وہ خوشبو میں بسا ہوا ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساعت کے لئے اس شخص کی طرف دیکھا، پھر خاموش رہے

اور آپؐ پر وحی نازل ہونے لگی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے یعلیٰؓ بن اُمیہ کی طرف اشارہ کیا کہ آؤ۔ چنانچہ یعلیٰؓ آئے اور اپنا سر (رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کپڑے کے) اندر داخل کر دیا تو دیکھا کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا اور آپؐ خراٹے لے رہے تھے۔ ایک ساعت کے لیے (ایسے ہوا) پھر وہ کیفیت آپؐ سے دور ہو گئی اور آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص کہاں ہے جس نے ابھی عمرے کے بارے میں پوچھا تھا۔ پس اس شخص کو ڈھونڈا گیا اور اُسے (حضورؐ کی خدمت میں) لایا گیا تو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ خوشبو جو تمہیں لگی ہے اسے تین مرتبہ دھو ڈالو اور یہ جو جُبّہ ہے اسے اتار ڈالو پھر اپنے عمرے میں وہی اعمال بجا لاؤ جو اپنے حج میں بجا لاتے ہو۔ (مسلم)

حضرت زیدؓ بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں (یہ آیت) لکھوائی:

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

"وہ لوگ جو گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے"

(حضرت زیدؓ بن ثابت کا بیان ہے کہ) حضورؐ مجھے یہ آیت لکھوا ہی رہے تھے کہ اتنے میں حضرت ابن اُمّ مکتومؓ آپؐ کے پاس آگئے اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، اگر مجھ میں جہاد کرنے کی طاقت ہوتی تو میں ضرور جہاد کرتا (بات یہ تھی کہ) وہ نابینا تھے (اور جہاد میں شرکت کرنے سے معذور تھے۔ اس وقت) رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ران میری ران پر تھی کہ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر وحی نازل کی (نزول وحی کے وقت آپؐ کے جسم مبارک کا وزن بہت زیادہ بڑھ جایا کرتا تھا۔ لہٰذا آپؐ کی ران بے انتہا بوجھل ہو گئی) اور اس نے میری

ران پر اتنا وزن ڈالا کہ مجھے خوف پیدا ہوا کہ کہیں میری ران چورا چورا نہ ہو جائے، پھر آپؐ سے وہ کیفیت دور ہوئی تو اللہ نے (آپؐ پر) یہ الفاظ نازل فرمائے :

غَيْرَ اُولِي الضَّرَرُ

(یعنی سوائے ان لوگوں کے جو دُکھ درد والے اور معذور ہیں)

(بخاری)

ان الفاظ کے نازل ہونے سے آیت کا مفہوم یہ ہو گیا کہ جو لوگ جہاد سے پہلو تہی کر کے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں وہ رُتبے میں مجاہدین کے برابر نہیں ہوتے۔ البتہ جو لوگ کسی ایسے دکھ درد میں مبتلا ہوں کہ جہاد میں شریک ہونے سے معذور ہوں اور اُس معذوری کے باعث گھروں میں بیٹھے ہوئے ہوں تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

حضرت عمرؓ بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ کے چہرہ مبارک کے پاس سے شہد کی مکھیوں کی آواز کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔ ایک دن آپؐ پر وحی نازل ہوئی تو ہم کچھ دیر (وہاں) ٹھہرے رہے۔ پھر وہ کیفیت آپؐ سے دُور ہوئی تو آپؐ قبلہ رُخ ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر (یہ) دعا کی ۔

اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا	اے خدا ہمیں زیادہ کر اور ہمیں کم نہ کر
وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا	اور ہمیں عزت و وقار دے اور ہمیں ذلیل نہ کر
وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا	اور ہمیں عطا کر اور ہمیں محروم نہ رکھ
وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا	اور ہم کو اپنے فضل اور احسان میں دوسروں

پر مقدم رکھ اور دوسروں کو ہم پر مقدم نہ کر۔

وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا اور ہمیں راضی رکھ اور ہم سے راضی رہ۔

پھر فرمایا کہ مجھ پر دس آیات نازل ہوئی ہیں جس نے اُن پر عمل کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ پھر آپؐ نے تلاوت کیا۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ یہاں تک کہ دس آیات ختم کیں۔ (ترمذی)

اس حدیث میں جن دس آیات کا ذکر آیا ہے وہ سورۃ المؤمنون کی ابتدائی دس آیات ہیں جن کا ترجمہ حسب ذیل ہیں:

"یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو

۱۔ اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

۲۔ اور جو لغو باتوں سے دور رہتے ہیں۔

۳۔ اور جو زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔

۴۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں (یعنی کنیزیں) کہ ان پر محفوظ نہ رکھنے میں وہ قابل ملامت نہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔

۵۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔

۶۔ اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔

یہی لوگ فردوس کے وارث ہیں۔"

ان آیات میں ایمان لانے والوں کی جو چھ صفات بیان کی گئی ہیں ان کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس نے ان پر عمل کیا وہ جنت میں جائے گا۔

(سورۃ القیٰمۃ میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے

فرمایا ہے کہ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ جس کا مطلب ہے کہ اے نبیؐ وحی کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو) اللہ تعالیٰ کے اس قول لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب حضرت جبرئیلؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آتے تو آپؐ وحی کے ساتھ ساتھ اپنی زبان اور ہونٹوں کو ہلاتے جاتے (یعنی جو کچھ آپؐ کو بذریعہ وحی سنایا جا رہا ہوتا اسے ساتھ ساتھ دہراتے جاتے تاکہ یاد ہو جائے) یہ صورت (حالات) آپؐ کے لئے بڑی سخت ہوتی اور یہ (سختی جو آپؐ پر گزرتی) آپؐ (کے چہرۂ مبارک) سے محسوس ہو جاتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (ان آیات کو) نازل فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ

(یعنی اے نبیؐ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اسے جلدی جلدی لیں (مطلب یہ ہے کہ) اسے (جلدی جلدی) یاد کرنے کے لیے (ساتھ ساتھ اسے دہرانے کی کوشش نہ کیا کریں)

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ

اس کو یاد کروا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے (مراد یہ ہے کہ) یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسے آپؐ کے سینے میں جمع کر دیں (یعنی اسے آپؐ کو یاد کرا دیں) اور اسے آپ کو اس طرح) پڑھوا دیں کہ آپؐ اسے (بخوبی) پڑھ سکیں۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ لہٰذا جب ہم اسے پڑھنے لگا کریں تو آپؐ اس کی قرات کو غور سے سنتا رہا کریں۔

(اس آیت میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان (یہ) ہے کہ (جب) ہم قرآن کو نازل کر رہے

ہوں تو آپؐ اُسے (صرف) غور سے سنا کریں (ساتھ ساتھ اُسے یاد کرنے کی کوشش نہ کیا کریں)

(ثُمَّ) اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

(پھر) اُس کا بیان کرادینا ہمارا ذمہ ہے (یعنی یہ ہماری ذمہ داری ہے) کہ ہم اسے آپ کی زبان سے وضاحت سے ادا کروادیں۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ) پھر (اس کے بعد یوں) ہوتا کہ جب حضورؐ کے پاس جبرئیلؑ آتے تو حضورؐ سر جھکا لیتے تھے۔ (اور وحی کو غور سے سنتے رہتے) پھر جب وہ چلے جاتے تو پھر جیسے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکے تھے آپؐ اسے (بخوبی) پڑھ لیتے۔ (مسلم)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ پہلی وحی جو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے جو آپؐ نیند کی حالت میں دیکھتے تھے۔ جو خواب بھی آپؐ دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح نمودار ہوجاتا۔ (یعنی سچا ثابت ہوتا۔ جیسا حضورؐ خواب میں دیکھتے ویسا ہی بیداری میں ظاہر ہوتا) پھر آپؐ کو تنہائی سے محبّت ہوگئی۔ اور آپؐ غارِ حرا میں تنہا رہنے لگے وہاں آپؐ تحنّث کیا کرتے۔ تحنّث کا مطلب ہے مسلسل کئی راتیں عبادت کرنا (چنانچہ آپؐ غارِ حرا میں کئی کئی راتیں عبادت کرتے رہتے) قبل اس کے کہ آپؐ کو گھر والوں کے پاس آنے کا اشتیاق پیدا ہوتا۔ اس (طرح غار میں تنہا بیٹھ کر عبادت کرنے) کے لیے آپؐ توشہ (یعنی کھانے پینے کا سامان) بھی ساتھ لے جاتے۔ پھر (جب پہلا توشہ ختم ہوجاتا تو) حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور اتنے ہی دنوں کے لیے اور توشہ لے جاتے (ایسے ہی ہوتا رہا) یہاں تک کہ غارِ حرا ہی میں ہونے کے دوران آپؐ کے پاس

(پیغام) حق آ گیا۔ پس آپؐ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے (آپؐ سے) کہا: اِقْرَءْ (یعنی پڑھیے) رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے) فرمایا (کہ جب فرشتے نے کہا اِقْرَءْ تو) میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر اس نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور (دوبارہ) کہا: اِقْرَءْ۔ میں نے (پھر وہی) جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اُس نے (پھر) مجھے پکڑ لیا اور دوسری بار زور سے دبایا، یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور (تیسری مرتبہ) کہا: اِقْرَءْ۔ میں نے (وہی) جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر اس نے مجھے پکڑ لیا۔ اور تیسری دفعہ زور سے دبایا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَءْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝

(اے نبیؐ اپنے ربّ کے نام کے ساتھ پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھیے اور آپؐ کا ربّ بڑا اکرم ہے)

پھر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ان آیات کو لے کر اس حالت میں واپس لوٹے کہ آپؐ کا دل لرز رہا تھا۔ اور آپؐ حضرت خدیجہؓ بنت خُویلد کے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے کمّل اوڑھا دو، مجھے کمّل اوڑھا دو۔ پس لوگوں نے آپؐ کو کمّل اوڑھا دیا (آپؐ کچھ دیر اس حالت میں رہے) یہاں تک کہ آپؐ کا خوف دور ہو گیا۔ تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے (سارا) واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں، خدا کی قسم اللہ

آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا؟ آپ تو رشتے داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور محتاجوں کے لئے کماتے ہیں۔ اور مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں آنے والی مصیبتوں میں امداد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ رضؓ آپؐ کو لے کر چلیں اور اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس پہنچیں۔ ورقہ زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی زبان میں لکھنے پر قادر تھے۔ چنانچہ انجیل کا جتنا حصہ خدا کو منظور ہوتا اسے عبرانی زبان میں لکھا کرتے (اس وقت) وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور نابینا (بھی) تھے۔ حضرت خدیجہ رضؓ نے ان سے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے، اپنے بھتیجے (یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سنیئے۔ ورقہ نے حضورؐ سے کہا کہ اے میرے بھتیجے، آپ کیا دیکھتے ہیں۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا انہیں بتایا۔ اس پر ورقہ نے کہا کہ یہ تو وہی ناموس (یعنی معزز فرشتہ، رازداں فرشتہ) ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ پر نازل فرمایا تھا۔ کاش میں اس وقت جوان ہوتا (جب آپؐ کو تبلیغ کا حکم دیا جائے گا) کاش میں اس وقت تک زندہ ہی رہتا جب آپ کی قوم آپ کو (مکۂ مکرمہ سے) نکال دے گی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے) فرمایا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے۔

ورقہ نے کہا جی ہاں، جو شخص اس جیسی دعوت لے کر آیا جو آپؐ لائے ہیں اس کے ساتھ ضرور دشمنی کی گئی۔ اگر میں نے وہ دن پا لیا جو آپؐ کو پیش آنے والا ہے تو میں آپؐ کی زوردار امداد کروں گا۔ پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ اور کچھ مدت کے لئے حضورؐ پر وحی آنی بھی موقوف ہو گئی۔

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے بتایا کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ اس زمانے کا حال بیان کر رہے تھے جس کے دوران حضورؐ پر وحی کا آنا موقوف رہا۔ اپنے بیان کے دوران انہوں نے بتایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن) میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی۔ میں نے نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھا کہ وہی فرشتہ جو (غار) حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس منظر کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا اور (گھر کی طرف) لوٹ آیا اور کہا کہ مجھے کمل اوڑھا دو، مجھے کمل اوڑھا دو، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائیں:

یَاۤ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ

(اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو، اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو، اور اپنے کپڑے پاک رکھو، اور گندگی سے دور رہو)

پھر وحی کا سلسلہ گرم ہو گیا اور پے در پے آنے لگی۔

(بخاری)

واضح رہے کہ پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کے بعد یہ حدیث کے آخر میں بیان ہونے والی وحی دوسری تھی جو حضورؐ پر نازل ہوئی۔ دونوں کے درمیان کچھ عرصے تک وحی کی آمد رکی رہی تھی۔ اس دوسری وحی کے بعد پھر حضورؐ پر مسلسل

وحی نازل ہوتی رہی۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے آپؐ پر پے درپے وحی نازل فرمائی یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی۔ اور جس دن حضورؐ کی وفات ہوئی اس دن تو سب سے زیادہ وحی نازل ہوئی۔ (مسلم)

رُتبۂ بلند

جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے انسانی گروہوں میں سے جس گروہ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ عزت و شرف بخشا وہ انبیاء کا گروہ تھا۔ انبیائے کرام زندگی کے معزز ترین عہدے پر سرفراز فرمائے گئے تھے۔ یعنی انسانوں کو ہدایت و رہنمائی دینے پر۔ جہاں تک سچا ہونے کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے تمام نبی ایک درجے پر تھے البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کی بنا پر بعض انبیاء کو بعض انبیاء پر فوقیت بخشی ہے جیسے کہ سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۳ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط

یہ رسول، اللہ نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ ہم کلام ہوا ہے اور ان میں سے بعضوں کو بہت سے

درجوں میں سرفراز کیا۔

مثال کے طور پر حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت جلیل القدر پیغمبر سمجھا گیا ہے، اگرچہ سبھی انبیاء معزز و مکرم تھے، پھر ان جلیل القدر پیغمبروں میں بھی وہ بزرگ نبیؐ جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل فرمادیا اور جن پر نبوت کو ختم کردیا گیا، اُن کے رُتبۂ بلند میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ ذیل کی احادیث میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے ان خاص انعامات کا ذکر ہے جو آپؐ کے رتبۂ بلند کے مظاہر تھے۔

معراج:

سورہ بنی اسرائیل کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ	پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دُور کی اُس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تاکہ اُسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سُننے اور دیکھنے والا۔

"یہ وہی واقعہ ہے جو اصطلاحاً "معراج" اور "اسراء" کے نام سے مشہور ہے اکثر اور معتبر روایات کی رُو سے یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں اس واقعے کی تفصیلات کثرت صحابہ سے مروی ہیں جن کی تعداد پچیس ۲۵ تک پہنچتی ہے۔ ان

ہیں مفصّل ترین روایات حضرت انسؓ بن مالک، حضرت مالکؓ بن صَعصَعہ، حضرت ابوذرؓ غفاری اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں ان کے علاوہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت حذیفہؓ بن یمان، حضرت عائشہؓ اور متعدّد دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کے بعض اجزاء بیان کئے ہیں۔ قرآن یہاں صرف مسجد حرام (یعنی بیت اللہ) اور مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک حضورؐ کے جانے کی تصریح کرتا ہے۔ اور اس سفر کا مقصد یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی کچھ نشانیاں دکھانا چاہتا تھا۔ اس سے زیادہ کوئی تفصیل قرآن میں نہیں بتائی گئی۔ حدیث میں جو تفصیلات آئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ رات کے وقت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کو اٹھا کر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک براق پر لے گئے۔ وہاں آپؐ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا کی۔ پھر وہ آپؐ کو عالم بالا کی طرف لے چلے۔ اور وہاں مختلف طبقاتِ سماوی میں مختلف جلیل القدر انبیاء سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔ آخر کار آپؐ انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر اپنے ربّ کے حضور حاضر ہوئے اور اس حضوری کے موقع پر دوسری اہم ہدایات کے علاوہ آپؐ کو پنج وقتہ نماز کی فرضیت کا حکم ہوا۔ اس کے بعد آپؐ بیت المقدس کی طرف پلٹے اور وہاں سے مسجد حرام واپس تشریف لائے۔ اس سلسلے میں بکثرت روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو جنّت اور دوزخ کا بھی مشاہدہ کرایا گیا۔"

(تفہیم القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۸۸)

جب کفّار قریش کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس پر سخت تعجب کا اظہار کیا اور اسے ناممکن قرار دیتے ہوئے جھٹلایا اور مذاق اڑایا، مگر جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو پتہ چلا تو آپ نے ایک ایسی بات کہی جو ایک طرف آپ کے ایمان اور یقین کی گہرائی پر دلالت کرتی تھی اور دوسری طرف کفّار کے اعتراض کا مدلّل جواب تھی۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا کہ اگر حضورؐ نے یہ بات کہی ہے تو پھر سچ کہا ہے۔ آخر تم لوگوں کو اس پر تعجّب کیوں ہے۔ خدا کی قسم حضورؐ مجھے یہ خبر دیتے ہیں کہ وحی آپؐ کے پاس صبح وشام کے کسی حصّے میں آسمان سے زمین تک آجاتی ہے تو میں آپؐ کی تصدیق کرتا ہوں۔

حضرت ابوبکر رضؓ کی مراد یہ تھی کہ اگر میں حضورؐ پر آسمان سے وحی آنے پر یقین کر لیتا ہوں تو پھر حضورؐ کے آسمان پر لے جائے جانے کے معاملے میں یقین نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ جو قادرِ مطلق اپنے بندے پر آسمان سے وحی نازل کر سکتا ہے وہ اُسے آسمان پر لے جا کیوں نہیں سکتا کہ اسے محال سمجھا جائے۔

اب ذیل میں ایک حدیث پیش کی جا رہی ہے جس میں حضورؐ کے معراج کا حال بتایا گیا ہے۔

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضؓ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ (ایک رات) جب میں مکّہ میں تھا میرے گھر کی چھت پھٹی اور جبرئیل علیہ السلام نیچے اترے۔ انہوں نے میرے سینے کو چاک کیا، پھر اُسے زمزم کے پانی سے دھویا، پھر وہ سونے کا ایک طشت لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا اور اسے میرے سینے میں انڈیل دیا، پھر سینے کو بند کر دیا۔ اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے آسمان پر چڑھا لے گئے۔ جب میں آسمانِ دنیا (یعنی پہلے آسمان) تک پہنچا تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ (یا چوکیدار)

سے کہا کہ (دروازہ) کھول دو۔ اُس نے کہا کہ کون ہے۔ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ جبرئیل ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا آپ کے ساتھ بھی کوئی ہے۔ جبرئیل نے کہا کہ ہاں میرے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا انہیں بلایا گیا ہے جبرئیل نے جواب دیا کہ ہاں۔ پس جب اس نے دروازہ کھولا تو ہم آسمانِ دنیا پر چڑھ گئے۔ پھر کیا دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اور اس کے دائیں جانب بھی گروہ درگروہ لوگ تھے اور بائیں جانب بھی۔ جب وہ اپنے دائیں جانب دیکھتا تو ہنس دیتا اور جب اپنی بائیں جانب دیکھتا تو رو پڑتا۔ پس اس نے (میری طرف دیکھا تو) کہا کہ خدا کشادگی عنایت کرے نیک نبیؐ کو اور نیک بیٹے کو۔ میں نے جبرئیلؑ سے کہا کہ یہ صاحب کون ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ آدمؑ ہیں اور یہ گروہ درگروہ لوگ جو ان کے دائیں اور بائیں جانب ہیں یہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان میں جو دائیں جانب والے ہیں وہ جنتی ہیں اور جو گروہ ان کی بائیں جانب ہے وہ دوزخی ہیں۔ اس لیے جب یہ اپنی دائیں جانب نظر کرتے ہیں تو (خوشی کے باعث) ہنس پڑتے ہیں اور جب اپنی بائیں جانب نگاہ ڈالتے ہیں تو (صدمے کے باعث) رو دیتے ہیں۔

(پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر چلے) یہاں تک کہ مجھے دوسرے آسمان تک چڑھا لے گئے۔ پھر اس کے داروغہ سے کہا کہ (دروازہ) کھول دے تو اس کے داروغہ نے بھی جبرئیلؑ سے ویسی ہی باتیں کیں جیسی پہلے داروغہ نے کی تھیں پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت ابوذرؓ نے (جو اس قصے کے راوی ہیں) ذکر کیا کہ (پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے مختلف آسمانوں (پر چڑھتے گئے اور ان) میں آپؐ نے حضرت آدمؑ، حضرت ادریسؑ،

حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کو پایا۔ انھوں نے یہ بیان نہ کیا کہ ان پیغمبروں کے درجے کیسے تھے۔ ہاں اتنا کہا کہ حضورؐ نے حضرت آدمؑ کو آسمان دنیا پر پایا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو چھٹے آسمان پر (پھر) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب جبرئیلؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر حضرت ادریسؑ کے پاس سے گزرے تو حضرت ادریسؑ نے فرمایا کہ خدا کشادگی عنایت فرمائے نیک نبیؐ کو اور نیک بھائی کو۔

(آگے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پھر واقعے کو خود بیان فرماتے ہیں کہ) میں نے (جبرئیلؑ سے) کہا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ ادریسؑ ہیں پھر میں موسیٰؑ کے پاس سے گزرا تو انھوں نے (بھی) کہا کہ خدا کشادگی عنایت فرمائے نیک نبیؐ اور نیک بھائی کو۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ موسیٰؑ ہیں۔ پھر میں عیسیٰؑ کے پاس سے گزرا تو انھوں نے (بھی ویسے ہی) کہا کہ خدا کشادگی عنایت فرمائے نیک نبی کو اور نیک بھائی کو۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ عیسیٰؑ ہیں۔ پھر میں ابراہیمؑ کے پاس سے گزرا تو انھوں نے (بھی) کہا کہ خدا کشادگی عنایت فرمائے نیک نبیؐ کو اور نیک بیٹے کو۔ میں نے کہا کہ یہ کون ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ ابراہیمؑ ہیں (اس سے آگے کی روایت کے سلسلے میں) ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابن حزم نے بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ اور ابو حبہؓ انصاریؓ کہا کرتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر جبرئیلؑ مجھے اوپر چڑھا لے گئے، یہاں تک کہ میں بلند ہو کر ایک ہموار میدان میں پہنچا۔ وہاں مجھے (فرشتوں کے) قلموں (کے چلنے) کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ابن حزم اور حضرت انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر خدائے بزرگ و برتر

نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں اور میں یہ (فریضہ) لے کر واپس لوٹا یہاں تک کہ میں موسیٰؑ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ نے آپؐ کی امت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے کہا کہ پچاس نمازیں فرض کی ہیں انہوں نے کہا کہ آپؐ اپنے ربّ کی طرف واپس جائیے (اور کمی کرنے کی درخواست کیجئے) کیونکہ آپؐ کی امت (پچاس نمازیں پڑھنے کی) طاقت نہیں رکھتی۔ پس میں لوٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ایک حصہ معاف کر دیا۔ پھر میں پلٹ کر موسیٰؑ کی طرف آیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ معاف کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ (پھر) اپنے رب کی طرف لوٹ جائیے (اور مزید کمی کرنے کی درخواست کیجئے) کیونکہ آپؐ کی اُمّت اتنی (نمازوں) کی (بھی) طاقت نہیں رکھتی (چنانچہ) میں پھر لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ایک (اور) حصّہ معاف کر دیا۔ پھر میںؐ موسیٰؑ کے پاس لوٹ کر آیا تو انہوں نے کہا کہ آپؐ (پھر) اپنے ربّ کی طرف لوٹ جائیے (اور اس سے مزید کمی کرنے کی درخواست کیجئے) کیونکہ آپؐ کی اُمّت اس کی (بھی) طاقت نہیں رکھتی (چنانچہ) میںؐ پھر لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف گیا تو اللہ نے فرمایا کہ (اچھا اب) یہ پانچ (رکھی جاتی) ہیں مگر (ثواب کے لحاظ سے) یہ پچاس ہی ہیں، میرے ہاں بات بدلی نہیں جایا کرتی (اس لیے اگرچہ عدد کم کر کے پانچ کر دیا گیا ہے، مگر یہ پانچ نمازیں پڑھنے سے ثواب پچاس نمازوں ہی کا ہو گا) پھر میں لوٹ کر موسیٰؑ کے پاس آیا تو انہوں نے (پھر) کہا کہ آپؐ اپنے ربّ کی طرف لوٹ جائیے (اور مزید کمی کی درخواست کیجئے) مگر میںؐ نے کہا کہ (اب) مجھے اپنے ربّ سے (بار بار کہتے ہوئے) شرم آتی ہے۔ پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ میرے ساتھ سِدْرَةُ الْمُنْتَھٰی تک پہنچے۔ اس پر بہت سے رنگ چھا رہے تھے۔ میں نہ سمجھ سکا کہ وہ کیا ہیں۔ پھر مجھے جنت میں

داخل کیا گیا تو دیکھا کہ وہاں موتیوں کی لڑیاں ہیں اور وہاں کی مٹی مشک ہے۔

(بخاری)

سِدرہ بیری کو کہتے ہیں۔ احادیث میں سِدرَۃُ المُنتَہیٰ کا ذکر آیا ہے اُس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چھٹے یا ساتویں آسمان پر عرش کے دائیں جانب ایک بیری ہے جو فرشتوں کی پہنچ کی آخری حد ہے وہ اس سے آگے نہیں جا سکتے۔ حضورؐ کے سوا کوئی بھی اس کے آگے نہیں گیا۔

شفاعت :

مَعبَد بن ہلال عَنزَی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انسؓ بن مالک کے پاس گئے اور (ان سے ملاقات کے لیے) ثابت کی سفارش چاہی۔ آخر ہم ان تک پہنچے اور وہ (اس وقت) چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ثابت نے ہمارے لیے اجازت مانگی اور (اجازت ملنے پر) ہم اندر ان کے پاس گئے۔ انھوں نے ثابت کو اپنے ساتھ اپنے پلنگ پر بٹھایا۔ ثابت نے ان سے کہا: اے ابوحمزہؓ، آپ کے (یہ) بھائی جو اہل بصرہ میں سے ہیں آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ انہیں شفاعت والی حدیث سنائیں۔ حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کیا کہ جب قیامت کا دن ہوگا لوگ سخت اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو جائیں گے۔ پھر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئیں گے۔ اور ان سے درخواست کریں گے کہ اپنی اولاد کے لیے شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں تمہیں چاہیئے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کے خلیل (یعنی دلی دوست) ہیں۔ پھر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو

وہ (بھی یہی) کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں تمہیں چاہیئے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ کیونکہ وہ کلیم اللہ ہیں (جن سے اللہ نے کلام فرمایا تھا) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا جائے گا تو وہ (بھی) کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، تمہیں چاہیئے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ کہ وہ روح اللہ اور اللہ کا کلمہ ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا جائے گا تو وہ (بھی) کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، تمہیں چاہیئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ پھر میرے پاس آیا جائے گا۔ تو میں کہوں گا کہ میں اس کا اہل ہوں۔ پھر میں چل پڑوں گا اور اپنے ربّ سے پاس آنے کی اجازت طلب کروں گا، پس مجھے اجازت دے دی جائے گی۔ پھر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور ایسے قابل تعریف الفاظ میں اس کی حمد کروں گا۔ جن پر میں اس وقت قادر نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ (اس وقت) وہ الفاظ مجھے الہام کرے گا۔ پھر میں اس کے آگے سجدے میں گر جاؤں گا۔ پس مجھے کہا جائے گا کہ اے محمدؐ، اپنا سر اٹھایئے اور بات کیجئے آپ کی بات سنی جائے گی۔ اور مانگیئے آپؐ کو وہ عطا کیا جائے گا، اور شفاعت کیجئے، آپؐ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا کہ اے میرے ربّ، میری امّت، میری امّت! پس فرمایا جائے گا کہ جایئے اور جس کے دل میں گیہوں یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اُسے دوزخ سے نکال لیجئے پس میں جاؤں گا اور (ایسے ہی) کروں گا۔ (یعنی ان سب کو دوزخ سے نکال لاؤں گا جن کے دلوں میں گیہوں یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا) پھر میں اپنے رب کی طرف لوٹ آؤں گا۔ اور انہیں قابل تعریف الفاظ میں اس کی حمد کروں گا، پھر اس کے آگے سجدے میں گر پڑوں گا۔ پس مجھے فرمایا جائے گا کہ اے محمدؐ اپنا سَر اٹھایئے، اور کہیئے آپؐ کی بات سُنی جائے گی۔ اور مانگیئے، آپؐ

کو وہ عطا کیا جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے، آپؐ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔
میں پھر عرض کروں گا کہ میری امت، میری امت! پس مجھے فرمایا جائے گا کہ جایئے
اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اُسے دوزخ سے نکال
لیجئے۔ پس میں جاؤں گا اور (ویسے ہی) کروں گا (کہ ان سب کو بھی دوزخ سے
نکال لاؤں گا جن کے دلوں میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا) پھر میں
اپنے ربّ کی طرف لوٹ آؤں گا۔ اور انہیں قابلِ تعریف الفاظ میں اس کی حمد
کروں گا پھر اس کے آگے سجدے میں گر پڑوں گا، پس مجھے فرمایا جائے گا کہ اے
محمدؐ اپنا سر اٹھایئے اور بات کیجئے۔ آپؐ کی بات سنی جائے گی اور مانگیے آپؐ
کو وہ عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے، آپؐ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔
پس میں عرض کروں گا کہ اے میرے ربّ میری امت میری امت، پس مجھے
کہا جائے گا کہ جایئے اور جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم، اس سے
بھی کم، اس سے بھی کم ایمان ہو اس کو آگ سے نکال لیجئے۔ پس میں جاؤں گا اور
(ایسے ہی) کروں گا (کہ ان کو بھی دوزخ سے نکال لاؤں گا جن کے دلوں میں رائی
کے دانے سے بھی کم ایمان ہوگا) (حدیث کے راوی مَعبد بن ہلال عَنَزی بیان
کرتے ہیں کہ) یہ حضرت انسؓ کی حدیث ہے جو انہوں نے ہمیں بتائی۔ پھر (اُن
سے گفتگو کرنے کے بعد) ہم ان سے رخصت ہو کر چلے۔ پھر جب ہم جَبَّان (کے
قبرستان) کی بلندی پر پہنچے تو ہم نے کہا کاش کہ ہم حضرت حسن (بصری) سے
بھی مل لیتے اور انہیں سلام کر لیتے۔ وہ (ان دنوں) ابو خلیفہ کے گھر میں چھپے ہوئے
تھے کیونکہ (عراق کا ظالم گورنر) حجاج بن یوسف ان کے پیچھے پڑا ہوا تھا) غرضکہ ہم
ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سلام کیا، اور عرض کیا کہ اے ابو سعید، ہم
آپؐ کے بھائی ابو حمزہؓ (یعنی حضرت انسؓ بن مالک) کے ہاں سے آئے ہیں انہوں

نے ہمیں شفاعت کے بارے میں ایک ایسی حدیث سنائی ہے کہ اس جیسی حدیث ہم نے کبھی نہیں سنی تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ حدیث بیان کرو۔ ہم نے انہیں وہ حدیث سنادی تو وہ فرمانے لگے کہ آگے بتاؤ۔ ہم نے کہا کہ انہوں نے تو ہمیں اس سے زیادہ نہیں بتایا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ حدیث تو حضرت انسؓ نے بیس برس پہلے ہمیں سنائی تھی۔ ان دنوں وہ طاقت ور تھے اور ان کا حافظہ بھی قوی تھا (اب تمہیں سناتے ہوئے) انہوں نے حدیث کا کچھ حصہ چھوڑ دیا ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ آیا شیخ (یعنی حضرت انسؓ) بھول گئے ہیں یا انہوں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ (وہ حصہ) تمہیں سنائیں، اس خوف کے باعث کہ کہیں تم اسی پر بھروسہ نہ کر لو اور عمل کرنے سے لاپرواہ نہ ہو جاؤ) ہم نے کہا کہ (پھر) آپ ہمیں (وہ حصہ) سنا دیں وہ ہنس پڑے اور کہا کہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (یعنی انسان جلد باز مخلوق ہے۔ پھر فرمایا کہ) میں نے یہ بات تمہیں صرف اسی لیے بتائی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ (حدیث کا) وہ حصہ تمہیں سنا دوں (جو حضرت انسؓ نے کسی وجہ سے نہیں سنایا۔ اچھا سنو، حضورؐ فرماتے ہیں کہ) پھر میں چوتھی مرتبہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر آؤں گا اور انہیں قابل تعریف الفاظ کے ساتھ اس کی حمد کروں گا پھر اس کے سامنے سجدے میں گر جاؤں گا۔ پس مجھے کہا جائے گا کہ اے محمدؐ اپنا سر اٹھایئے اور بات کیجئے آپؐ کی بات سنی جائے گی، اور مانگیے آپؐ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپؐ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا کہ اے میرے ربّ مجھے ان لوگوں کے بارے میں بھی اجازت مرحمت فرمائیے جنہوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہو (کہ میں انہیں بھی دوزخ سے نکال لاؤں اس پر) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ آپؐ کا کام نہیں ہے۔ بلکہ (یہ کام میں بطور خود بغیر کسی کی شفاعت کے کروں گا) مجھے قسم ہے اپنی عزّت اور اپنی کبریائی

کی اور اپنی عظمت کی اور اپنی سلطانی اور غلبے کی کہ میں ضرور ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لوں گا جنہوں نے لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ کہا ہوگا ـــــ (اس حدیث کے راوی مَعبَد بن ہلال عَنَزی) کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں (اس بات کی) کہ یہ حدیث ہمیں حضرت حسن (بصریؒ) نے سنائی اور انہوں نے اسے حضرت انسؓ بن مالک سے سُنا۔ میں گمان کرتا ہوں کہ انہوں نے (یہ بھی) فرمایا کہ حضرت انسؓ نے انہیں یہ حدیث سنائی تھی) بیس برس پہلے اس زمانے میں جب حضرت انسؓ طاقت ور تھے اور ان کا حافظہ بھی قوی تھا۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اولاد آدمؑ کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔ (مسلم)

مقامِ محمود :

مقامِ محمود کا لفظی ترجمہ ہے " وہ جگہ جس کی تعریف کی جاتی ہے " احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن حضورؐ لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے اور اس شفاعت سے چونکہ لوگوں کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے گا اس لیے وہ آپؐ کی تعریف کریں گے۔ لہذا یہ شفاعت کا مقام جہاں آپؐ کو کھڑا کیا جائے گا "مقام محمود" ہوگا۔ یعنی وہ مقام جس پر کھڑے ہونے والے کی تعریف کی جارہی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ گروہ گروہ ہو جائیں گے۔ ہر گروہ (کے لوگ) اپنے نبی کے پیچھے پیچھے یہ کہتے جارہے ہوں گے کہ اے فلاں شفاعت کیجئے (مگر شفاعت نہیں ہو سکے گی) یہاں تک کہ شفاعت نبی

صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر ٹھہرے گی اور یہی وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ حضورؐ کو مقامِ محمود پر کھڑا کرے گا۔ (یعنی شفاعت کے مقام پر اور حضورؐ شفاعت فرمائیں گے)

(بخاری)

ختمِ نبوّت:

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ کے ساتھ نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔ انسان کو ایک صحیح کامیاب زندگی گزارنے کے لیے اور آخرت کی پوری کامیابی حاصل کرنے کے لیے جتنی معلومات کی ضرورت تھی وہ سب اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے ذریعے انسانوں تک پہنچا دیں۔ اب دین قیامت تک کے لیے مکمل ہے، لہٰذا کسی مزید نبی کی ضرورت نہیں جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آیا یا آئے گا وہ دائرۂ اسلام سے باہر ہے۔

سورۃ الاحزاب آیت ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

"(اے لوگو) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔"

حضورؐ نے خود بھی اس حقیقت کو پر زور انداز میں بالکل واضح فرما دیا ہے کہ آپؐ کے بعد اب اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپؐ کے ساتھ نبوت کا خاتمہ ہوگیا ہے۔

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے (بہت سے) قبائل مشرکین

سے نہ مل جائیں اور یہاں تک کہ بتوں کی پرستش نہ شروع کر دیں۔ اور میری امت میں تیس کذاب ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک (یہی) گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔
(ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور ان انبیاء کی مثال جو مجھ سے پہلے گزر گئے ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اسے بہت عمدہ اور خوشنما بنایا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس مکان کے ارد گرد پھرنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔ (پھر) حضورؐ نے فرمایا کہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں (یعنی میرے آنے سے دین کی وہ عمارت جو پہلے انبیاء نے بنائی تھی مکمل ہو گئی ہے اب کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت نہیں) (بخاری)

حضورؐ کا سب لوگوں کی طرف بھیجا جانا

حضورؐ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ جہاں پہلے انبیاء خاص خاص قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے وہاں حضورؐ کو تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا تھا۔ سورۃ سبا آیت ۲۸ میں فرمایا گیا ہے:

"اور (اے نبیؐ) ہم نے آپؐ کو تمام ہی انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے

نہیں ۔"

ایسے ہی سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸ میں ارشاد ہوا ہے :

(اے نبیؐ ان سے) کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمّی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس (نبی) کی۔ امید ہے کہ تم راہ راست پالو گے "

قبولیت دُعا :

حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ اور ابوجہل اور اس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو جا کر فلاں قبیلے کی اونٹنی کا بچہ دان لائے۔ اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدے میں جائیں تو ان کی پشت پر رکھ دے۔ پھر اُن (بدبختوں) میں جو سب سے زیادہ بدبخت تھا اٹھا اور وہ بچہ دان لے آیا۔ پھر دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو اُسے آپ کی پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا۔ میں (یہ سب کچھ) دیکھ رہا تھا۔ مگر (میں ایک بے وسیلہ شخص تھا، لہٰذا) کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کاش مجھے کوئی زور حاصل ہوتا (تو میں حضورؐ کی حمایت کرتا) پھر اُن (شریر) لوگوں نے (اپنی اس بے ہودگی پر) ہنسنا شروع کر دیا۔ اور (مارے ہنسی کے) ایک دوسرے پر گر گر پڑنے لگے۔

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کا یہ حال تھا کہ آپؐ) سجدے میں پڑے تھے۔ اور اپنا سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اتنے میں حضرت فاطمہؓ تشریف لے آئیں۔ انہوں نے حضورؐ کی پشت سے اس (بچہ دان) کو نیچے پھینکا تو حضورؐ نے اپنا سر اٹھایا۔ پھر آپؐ نے (بد) دعا کی کہ یا اللہ قریش کی ہلاکت یقینی فرمادے (آپؐ نے) تین مرتبہ (یہ بددعا کی) ان لوگوں پر یہ بات شاق گزری کیونکہ حضورؐ نے انہیں بددعا دی تھی۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جانتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر حضورؐ نے (سب کے) نام لیے (اور بددعا کی کہ) اے اللہ ابوجہل کی ہلاکت یقینی فرمادے اور عُتبہ بن ربیعہ اور شَیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عُتبہ اور اُمیّہ بن خَلَف اور عُقبہ بن ابی مُعیط کی ہلاکت یقینی فرمادے۔ اور حضورؐ نے ساتویں آدمی کا نام بھی گنا مگر مجھے وہ یاد نہیں رہا۔ پس قسم ہے اس ہستی کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جن لوگوں کو حضورؐ نے گنا تھا (اور ان کے حق میں بددعا کی تھی) میں نے انہیں اندھے کنویں (یعنی) بدر کے اندھے کنویں میں پڑے ہوئے دیکھا۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا اور وہ مشرک تھیں (میری دعوت کو قبول نہیں کرتی تھیں) ایک دن میں نے انہیں دعوت دی۔ تو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میرے سامنے کوئی ایسی (گستاخی کی) بات کی جو مجھے (سخت) ناگوار گزری (میں روتا ہوا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، میں اپنی ماں کو اسلام کی طرف بلایا کرتا تھا مگر وہ

انکار کرتی تھیں۔ آج میں نے اُنہیں (پھر) اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے میرے سامنے آپؐ کے بارے میں ایسی بات کی جو مجھے (سخت) ناگوار گزری پس آپؐ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت دے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے خدا، ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت دے۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (اس) دعا سے خوش ہو کر نکلا۔ پھر جب (گھر) آیا اور دروازے پر پہنچا تو وہ بند تھا۔ میری ماں نے میرے قدموں کی چاپ سُنی تو کہا کہ ابوہریرہؓ ذرا ٹھہر جاؤ۔ اور میں نے پانی کے گرنے کی آواز سُنی۔ پس میری ماں نے غسل کیا۔ اور اپنا کرتا پہنا اور جلدی سے اپنی اوڑھنی اوڑھی اور دروازہ کھول دیا، پھر کہا: اے ابوہریرہؓ میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں (یہ صورت حالات دیکھ کر) میں (پھر) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور (حال میرا یہ تھا کہ) میں مارے خوشی کے رو رہا تھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ، خوش ہو جائیے، اللہ نے آپؐ کی دعا قبول کر لی ہے اور ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت دے دی ہے۔ اس پر حضورؐ نے اللہ کی تعریف کی اور اس کی ثنا بیان کی اور کلمۂ خیر کہا۔ میں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ، اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے دلوں میں میری اور میری ماں کی محبت ڈال دے اور ہمارے دلوں میں اُن کی محبت ڈال دے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے خدا اپنے اس بندے یعنی ابوہریرہؓ اور اس کی ماں کو اپنے مومن بندوں کے محبوب بنا دے اور مومنوں کو ان کے محبوب بنا دے (یہ روایت بیان کر کے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ) پھر کوئی مومن ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے میرے بارے میں سُنا ہو اور مجھے

دیکھا ہو مگر مجھ سے محبت نہ کی ہو۔

(مسلم)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں (ایک دفعہ) لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک بدو کھڑا ہو گیا اور کہا: یا رسول اللہ، مال تباہ ہو گیا اور بچے بھوک میں مبتلا ہو گئے، پس آپؐ اللہ سے ہمارے لیے دعا کیجئے۔ (کہ ہم پر بارش برسائے) پس حضورؐ نے (دعا کے لئے) اپنے ہاتھ اٹھائے۔ (اس وقت) ہمیں آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا پس قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ حضورؐ نے ابھی ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ بادل کے پہاڑوں جیسے (بڑے بڑے) ٹکڑے امڈ آئے پھر ابھی آپؐ اپنے منبر سے نیچے نہیں اترے تھے کہ میں نے بارش کو آپؐ کی ریش مبارک پر ٹپکتے دیکھا۔ پھر اس دن ہم پر بارش ہوئی۔ اور اس سے اگلے دن، اور اس سے اگلے دن، اور اس سے اگلے دن، یہاں تک کہ دوسرا جمعہ آنے تک (بارش ہوتی رہی) پھر وہی بدو اٹھا یا اس کے علاوہ کوئی اور اٹھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مکانات گر گئے اور مال غرق ہو گیا۔ پس آپؐ اللہ سے ہمارے لئے دعا کیجئے (کہ اب بارش بند ہو) پس آپؐ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ اے اللہ ہمارے ارد گرد برسا اور ہم پر نہ (برسا) اور آپؐ اپنے ہاتھ سے بادل کی جس طرف بھی اشارہ فرماتے اس طرف سے بادل کھل جاتا اور مدینہ گول گڑھے کی طرح ہو گیا (کہ ارد گرد بادل تھے اور مدینے میں مطلع صاف تھا) اور قناۃ کا پہاڑی نالہ ایک مہینے تک بہتا رہا۔ اور جو شخص بھی (مدینے کے ارد گرد کے) کسی علاقے سے آتا وہ شدید بارش ہی کی باتیں کرتا۔

(بخاری)

حضورؐ کے پیروؤں کی کثرت :

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام انبیائے کرام سے زیادہ میرے پیرو ہوں گے اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ (مسلم)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں لوگوں میں سب سے پہلا ہوں گا جو جنت میں شفاعت کروں گا اور تمام انبیاء سے زیادہ میرے پیرو ہوں گے۔ (مسلم)

اہل بیت پر صدقہ حرام :

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتا ہوں تو اپنے بستر پر ایک کھجور گری ہوئی دیکھتا ہوں۔ میں اسے کھانے کے لیے اٹھاتا ہوں۔ مگر پھر ڈر جاتا ہوں کہ کہیں صدقے کی نہ ہو۔ چنانچہ اُسے پھینک دیتا ہوں (اور نہیں کھاتا) (بخاری)

جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے لئے بھی اور اپنی اولاد کے لئے بھی زکوٰۃ کا مال حرام قرار دے دیا تھا جیسا کہ اس حدیث اور آئندہ حدیث سے ظاہر ہے۔ اس میں کئی مصلحتیں تھیں۔ ایک تو مخالفین یہ اعتراض کر سکتے تھے کہ زکوٰۃ فرض ہی اسی لیے کی گئی ہے کہ نبیؐ کے خاندان کو فائدہ پہنچے اس کے علاوہ اگر اہل بیت کو زکوٰۃ لینا جائز ہوتا تو لوگ انہیں کو دینا پسند کرتے اور دوسرے مستحقین محروم رہ جاتے۔ لہٰذا حضورؐ نے اسے اپنے اور اہل بیت کے لیے حرام قرار دے دیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : چھی، چھی، اسے پھینک دو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے ! (مسلم)

سب سے پہلے حضورؐ کیلئے دروازہ کھلنا :

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اسے کھلواؤں گا۔ خازن مجھ سے کہے گا کہ آپؐ کون ہیں۔ میں کہوں گا کہ (میں) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ اس پر وہ کہے گا کہ آپؐ ہی کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپؐ سے پہلے کسی کے لیے (دروازہ) نہ کھولوں۔ (مسلم)

حضورؐ کا خواب میں دیکھا جانا :

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ (مسلم)

حضورؐ کا اللہ کے خلیل ہونا :

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اہل دنیا میں سے کسی کو خلیل (یعنی دلی دوست) بناتا تو ابو قحافہ کے بیٹے (یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ) کو بناتا، مگر (اے مسلمانو) تمہارے صاحب

(یعنی حضورؐ خود) تو اللہ کے خلیل ہیں۔ (مسلم)

حضورؐ کے متفرق امتیازات :

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے (دوسرے) انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے۔

۱۔ مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں۔

۲۔ اور (مجھے) رعب (عطا فرمایا گیا ہے اور اس) کے ذریعے میری امداد کی گئی ہے۔

۳۔ اور میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے (جو پہلے انبیاء کے لیے حلال نہ تھا)

۴۔ اور (جہاں باقی انبیاء کی اُمتیں صرف اپنے عبادت خانوں ہی میں نماز ادا کرتی تھیں وہاں) میرے لیے (تمام) زمین کو نماز پڑھنے کی جگہ اور اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔

۵۔ اور (پہلے انبیاء خاص خاص اقوام کی طرف بھیجے جایا کرتے تھے مگر) مجھے تمام مخلوقات کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

۶۔ اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی ہے (میرے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا) (ترمذی)

حدیث میں "جامع کلمات" کا ذکر آیا ہے۔ جامع کلمات اُن کلمات کو کہا جاتا ہے جن میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں اور اس شئے کو عبارت کی ایک بہت بڑی خوبی سمجھا جاتا ہے۔ بعض علماء کے خیال کے مطابق یہاں "جامع کلمات" سے مراد قرآن پاک ہے جس کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں کم الفاظ میں

حضرت عبداللہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں۔ جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

(النسائی)

حضورؐ کے معجزات

جب پیغمبروں نے اپنی قوموں کو خدا کا پیغام پہنچایا تو عموماً لوگوں نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ واقعی خدا کے بھیجے ہوئے ہیں تو آپ کے ہاتھوں کوئی ایسا واقعہ ظہور میں آنا چاہیئے جو قوانین فطرت کی عام روش سے ہٹا ہوا ہو اور جس سے صاف نظر آرہا ہو کہ خدا نے آپ کی صداقت ثابت کرنے کے لیے یہ واقعہ بطور نشانی صادر کیا ہے۔ چنانچہ انبیاء خدا کے حکم سے وہ نشانیاں دکھاتے رہے جنہیں قرآن کی اصطلاح میں "آیات" کہا جاتا ہے اور عام طور پر ان کے لیے لفظ "معجزات" استعمال ہوتا ہے۔ مُعْجِزَۃ وہ خارق عادت بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے اور دوسرے وہ کام کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے مختلف انبیاء خدا کے حکم سے اپنی اپنی قوموں کو معجزات دکھاتے رہے ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ کی لاٹھی سانپ بن گئی تھی پھر جب اس

بہت زیادہ مفہوم ادا کیا گیا ہے۔ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی یہ خصوصیت موجود ہے کہ الفاظ کم اور مفہوم زیادہ ہوتا ہے۔ پھر یہ جو فرمایا گیا ہے کہ رعب کے ذریعے میری امداد کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا رعب عطا کیا ہوا ہے کہ دشمنانِ دین میری شخصیت سے بہت زیادہ مرعوب ہو جانے کے باعث مجھے اور اس دعوت دین کو جو میں دے رہا ہوں زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور دوسری طرف اجنبی لوگ میری بارعب شخصیت سے متاثر ہو کر میری دعوت کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک حضورؐ کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ زمین کو میرے لیے نماز پڑھنے کی جگہ اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کے پیرو اپنی عبادت گاہوں ہی میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو یہ آسانی عطا فرما دی گئی ہے کہ وہ ہر جگہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح پہلی اقوام صرف پانی ہی سے طہارت حاصل کرتی تھیں مگر مسلمانوں کو اجازت ہے کہ پانی نہ ہونے یا اس کے مضر ہونے کی صورت میں مٹی سے تیمم کر لیں۔ جو غسل اور وضو دونوں کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی پہلے انبیاء خاص خاص اقوام کی طرف آیا کرتے تھے مگر حضورؐ کو تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اور ساتھ ہی حضورؐ پر نبوت کو ختم بھی کر دیا گیا ہے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے آنے والے انبیاء میں سے کسی کو نہیں دی گئی تھیں:

۱۔ میری مدد کی گئی ہے۔ ایسا (زبردست) رعب دے کر جو ایک مہینے کی

مسافت (کے برابر دُوری) سے مرعوب کر دیتا ہے۔
۲۔ زمین کو میرے لیے نماز پڑھنے کی جگہ اور پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے (لہٰذا) میری امت کے جس شخص کو (جہاں بھی) نماز (کا وقت) آلے وہ (وہیں) نماز پڑھ لے۔
۳۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے۔
۴۔ ہر نبی خاص طور پر اپنی قوم ہی کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ لیکن مجھے تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔
۵۔ مجھے شفاعت کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ (بخاری)

درود وسلام :

درود کا مطلب ہے رحمت بھیجنا اور سلام کا مطلب ہے ہر طرح کی تکلیف دہ شے سے سلامت رہنا۔ جب کسی کو سلام کیا جاتا ہے تو اس کے لیے یہ دعا کی جاتی ہے کہ وہ ہر طرح کی تنگی، تکلیف، پریشانی وغیرہ سے محفوظ رہے سورۃ الاحزاب آیت ۵۶ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ — بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان لانے والو، تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔

"اللہ کی طرف سے اپنے نبیؐ پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپؐ پر بے حد مہربان ہے، آپؐ کی تعریف فرماتا ہے، آپؐ کے کام میں برکت دیتا ہے، آپؐ کا نام بلند کرتا ہے اور آپؐ

پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا ہے۔

فرشتوں کی طرف سے آپؐ پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپؐ سے غایت درجے کی محبت رکھتے ہیں اور آپؐ کے حق میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپؐ کو زیادہ سے زیادہ بلند مرتبے عطا فرمائے، آپؐ کے دین کو سربلند کرے، آپؐ کی شریعت کو فروغ بخشے اور آپؐ کو مقامِ محمود پر پہنچائے" (تفہیم القرآن)

"اہل ایمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صَلُّوْا عَلَیْہِ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ۔ ان کی مدح و ثنا کرو اور ان کے لیے دعا کرو — سلام کا لفظ بھی دو معنی رکھتا ہے۔ ایک ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا جس کے لئے ہم اردو میں سلامتی کا لفظ بولتے ہیں۔ دوسرے صلح اور عدم مخالفت۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کہنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری طرح دل و جان سے ان کا ساتھ دو۔ ان کی مخالفت سے پرہیز کرو اور ان کے سچے فرمانبردار بن کر رہو۔" (تفہیم القرآن)

خود حضورؐ نے بھی مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ آپؐ پر درود بھیجا کریں۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت کعبؓ بن عُجْرَۃ ملے اور فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک تحفہ نہ دوں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ میں نے کہا کہ کیوں نہیں، آپ مجھے وہ تحفہ (ضرور) دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ ہم آپؐ پر (یعنی) اہل بیت پر کس طرح درود بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ تو سکھا دیا ہے کہ سلام کیسے بھیجیں (اب درود بھیجنے کا طریقہ آپ سکھا دیجئے) حضورؐ نے فرمایا کہ ایسے کہا کرو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(اے خدا رحمت نازل فرما محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جیسے تو نے رحمت نازل فرمائی ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیمؑ پر بے شک تو تعریف کیا گیا بزرگی والا ہے۔

اے خدا برکت نازل فرما محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جیسے تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیمؑ پر بے شک تو تعریف کیا گیا بزرگی والا ہے) (بخاری)

واضح رہے کہ حضورؐ نے مختلف مواقع پر بہت سے لوگوں کو مختلف درود سکھائے ہیں جو الفاظ کے اختلاف کے باوجود معنی میں متفق ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

ازواج سے مراد حضورؐ کی بیویاں ہیں اور ذرّیت اولاد کو کہتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ (بخاری، نسائی، ابن ماجہ)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ فِی الْعٰلَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ (النسائی)

درود میں جو آلِ محمدؐ کہا جاتا ہے اس کے بارے میں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی شخص کی آل وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی مددگار اور متبع ہوں خواہ وہ اس کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر آلِ فرعون کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ان میں کسی جگہ بھی آل سے مراد محض فرعون کے خاندان والے نہیں ہیں بلکہ وہ سب لوگ ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں اس کے ساتھی تھے۔ لہٰذا آلِ محمدؐ سے مُراد وہ سب لوگ ہیں جو حضورؐ کے پیرو ہیں۔ البتہ خاندانِ رسالت کے وہ افراد بدرجۂ اولیٰ آلِ محمدؐ ہیں جو آپؐ سے نسبی تعلق بھی رکھتے ہیں اور آپؐ کے پیرو بھی ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا کہ جب تم لوگ موذّن کو (اذان دیتے ہوئے) سنو تو وہی کہو جو وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ اُس کے عوض اُس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ مانگو اور وسیلہ جنّت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے سوا اور کسی کو سزاوار نہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، پس جس نے اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ مانگا اس کے لیے (میری) شفاعت

واجب ہو گئی۔

(مسلم)

حضرت علیؓ بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(ترمذی)

عام گفتگو میں اگر اتنا لمبا درود نہ پڑھا جا سکے جو اوپر بیان ہو چکا ہے تو صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پڑھ لینے سے بھی درود بھیجنے کا حق انشاء اللہ ادا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو طلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے تو (ہم نے دیکھا کہ) آپؐ کے چہرۂ مبارک پر خوشی نظر آ رہی تھی۔ پھر (آپؐ نے اس خوشی کی وجہ بتاتے ہوئے) فرمایا کہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے تھے اور انہوں نے کہا ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) اے محمدؐ کیا آپؐ اس بات پر راضی نہیں کہ آپؐ کی امّت میں سے جو شخص آپؐ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا میں اس پر دس دفعہ رحمت نازل کروں گا۔ اور آپؐ کی اُمّت میں سے جو کوئی ایک بار آپؐ پر سلام پڑھے گا میں اس پر دس دفعہ سلامتی بھیجوں گا۔

(نسائی)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا خدا اُس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ دُور ہوں گے اور اس کے دس درجے بلند ہوں گے۔ (نسائی)

لاٹھی کو سمندر پر مارا گیا تو سمندر میں راستہ پیدا ہو گیا۔ آپ کا ہاتھ سورج کی طرح روشن ہو جاتا تھا۔ آپ کے لیے چٹان میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو من و سلویٰ کی غذا بہم پہنچائی۔

حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی بولیاں آتی تھیں اور جنوں کو آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا تھا۔

حضرت عیسیٰؑ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے گہوارے میں لوگوں سے بات کی تھی اور آپ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ پر آگ کچھ اثر نہ کر سکی تھی۔ وغیرہ

ایسے ہی جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں نے معجزے کا مطالبہ کیا۔ مگر آپؐ کو حسی معجزہ دیئے جانے کے بجائے عقلی معجزہ عطا فرمایا گیا تھا اور وہ "قرآن پاک" تھا۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

"اور (کفار) کہتے ہیں کہ یہ شخص (یعنی حضورؐ) اپنے ربّ کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی (یعنی معجزہ) کیوں نہیں لایا۔ کیا ان کے پاس اگلے صحیفوں کی تمام تعلیمات کا بیان واضح نہیں آ گیا"

"یعنی کیا یہ کوئی کم معجزہ ہے کہ انہیں لوگوں میں سے ایک اُمّی شخص نے وہ کتاب پیش کی ہے جس میں شروع سے اب تک کی تمام آسمانی کتابوں کے مضامین اور تعلیمات کا عطر نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ان کتابوں میں جو کچھ تھا وہ سب نہ صرف یہ کہ اس کتاب میں جمع کر دیا گیا، بلکہ اس کو ایسا کھول کر واضح بھی کر دیا گیا کہ صحرا نشین بدو تک

اس کو سمجھ کر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ (تفہیم القرآن)

ایسے ہی سورہ العنکبوت آیات ۵۰ اور ۵۱ میں ارشاد فرمایا گیا ہے "یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتاری گئیں اس شخص (یعنی حضورؐ) پر نشانیاں (یعنی معجزات) اس کے رب کی طرف سے۔ (اے نبیؐ ان سے) کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں صرف خبردار کرنے والا ہوں کھول کھول کر۔ اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بے شک اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں" (یعنی ایک امی کا قرآن جیسی کتاب پیش کرنا اور یکایک ان غیر معمولی کمالات کا مظاہرہ کرنا جن کے لئے کسی سابقہ تیاری کے آثار کبھی کسی کے مشاہدے میں نہیں آئے۔ یہی دانش و بینش رکھنے والوں کی نگاہ میں اس کی پیغمبری پر دلالت کرنے والی روشن ترین نشانیاں ہیں۔ (تفہیم القرآن)

مراد یہ ہے کہ حضورؐ امی تھے۔ پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تھا۔ اس کے باوجود حضورؐ پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا بجائے خود اتنا بڑا معجزہ تھا کہ حضورؐ کی رسالت پر یقین دلانے کے لیے کافی تھا۔

معجزے کے بارے میں چند اہم باتیں ذہن نشین رہنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ معجزہ صرف اللہ کے حکم سے دکھایا جاتا ہے۔ کوئی نبی بذات خود معجزہ دکھلانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے ایمان نہیں لانا ہوتا وہ معجزے دیکھ کر بھی نہیں لاتے اور معجزوں کو جادو قرار دے دیتے ہیں (سورۃ الانعام

آیت ۹ میں فرمایا گیا ہے۔

"یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ہمارے پاس آجائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (اے نبیؐ ان سے) کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔ اور (اے مسلمانو) تمہیں کیسے سمجھایا جائے کہ اگر نشانیاں آ بھی جائیں تو یہ (لوگ) ایمان لانے والے نہیں۔"

بات یہ تھی کہ مسلمانوں کی تمنا یہ تھی کہ کوئی ایسا معجزہ دکھا دیا جائے جس سے ان کے گمراہ بھائی راہ راست پر آجائیں۔ لہٰذا اس آیت کے آخر میں ان کی اسی تمنا اور خواہش کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آخر تمہیں کس طرح سمجھایا جائے کہ ان لوگوں کا ایمان لانا کسی معجزے کے ظہور پر منحصر نہیں ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

یہ بیانات واضح کر رہے ہیں کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل معجزہ قرآنِ پاک تھا۔ تاہم کلام پاک اور احادیث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کی زندگی میں ایسے واقعات کا صدور ہوتا رہا جو عادت کے خلاف تھے اور عام لوگوں کے بس سے باہر تھے۔ علمائے اسلام نے ان واقعات کو "معجزات" کی سرخی کے تحت رکھا ہے۔ ذیل میں انہیں واقعات میں سے کچھ واقعات بیان کیے جا رہے ہیں:

چاند کا دو ٹکڑے ہونا:

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ

علیہ وسلّم سے مطالبہ کیا کہ آپ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے (کرکے) دکھائے، یہاں تک کہ انہوں نے حرا (پہاڑ) کو ان دونوں (ٹکڑوں) کے درمیان دیکھا (یعنی ایک ٹکڑا حرا کی ایک طرف تھا اور دوسرا دوسری طرف) (بخاری)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ منیٰ (کے میدان) میں تھے کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اُس طرف تھا اور (دوسرا) ٹکڑا اُس کے اس طرف۔ پس رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم سے فرمایا کہ (اس پر) گواہ ہو جاؤ۔ (مسلم)

تنے کا رونا :

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ کیا میں آپؐ کے لیے ایک ایسی چیز نہ بنا دوں جس پر آپؐ (خطبہ دینے کے لیے) بیٹھا کریں۔ میرا ایک لڑکا ہے جو بڑھئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تو چاہتی ہے (تو بنوا دے) پس اُس نے حضورؐ کے لیے ایک منبر تیار کیا (اس سے پہلے حضورؐ کھجور کے ایک تنے کے پاس خطبہ دیا کرتے تھے) پھر جب جمعے کا دن آیا (اور) حضورؐ (خطبہ دینے کے لیے) اس منبر پر بیٹھے جو بنایا گیا تھا تو کھجور کا وہ تنا جس کے پاس حضورؐ خطبہ دیا کرتے تھے چیخنے لگا یہاں تک کہ قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ اس پر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم (منبر سے) نیچے اترے اور اس تنے کو پکڑ کر اپنے ساتھ چمٹا لیا تو وہ اُس بچے کی طرح رونے لگا جسے چپ کرایا

جارہا ہو یہاں تک کہ (آخر) ساکن ہو گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ اُس ذکر (کی جدائی) پر رو دیا ہے (جو اس کے پاس ہوا کرتا تھا اور) جسے یہ سُنا کرتا تھا۔

(بخاری)

گھوڑے کا زمین میں دھنس جانا :

حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے (ہجرت فرماکر) مدینہ منورہ کی طرف آئے تو (ایک کافر) سُراقہ بن مالک بن جُعشُم نے آپؐ کا تعاقب کیا (تاکہ آپؐ کو پکڑ کر کافروں کے پاس لے جائے جنہوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو حضورؐ کو پکڑ کر لائے گا اسے انعام دیا جائے گا) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بد دعا کی تو اس کا گھوڑا (زمین میں) دھنس گیا۔ اس پر اُس نے (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا کہ آپؐ خدا تعالیٰ سے میرے لیے دعا کیجئے (کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے) میں آپؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا پس حضورؐ نے (اس کے لیے) اللہ تعالیٰ سے دعا کی (تو اسے نجات مل گئی)۔

(اس حدیث کے) راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول خدا صلی اللہ وسلم کو پیاس لگی۔ پھر وہ سب بکریوں کے ایک چرواہے کے پاس سے گزرے حضرت ابوبکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک پیالہ لیا اور اس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھوڑا سا دودھ دوہا اور اسے لے کر حضورؐ کے پاس آیا۔ پھر حضورؐ نے وہ دودھ پیا یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا۔

(مسلم)

اونٹ کا تیز رفتار ہو جانا :

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اور میں ایک سست رفتار اونٹ پر سوار تھا۔ وہ سب اونٹوں سے آخر میں رہتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ کون ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں جابرؓ بن عبداللہؓ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں ایک سست رفتار اونٹ پر سوار ہوں (اس لیے پیچھے رہ گیا ہوں) آپؐ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی چھڑی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ وہ مجھے دو۔ میں نے (وہ چھڑی) آپؐ کو دے دی تو آپؐ نے (اس سے) اس اونٹ کو مارا اور اسے ڈانٹا۔ پھر وہ (اونٹ) اس جگہ سے (چلا تو اتنا تیز رفتار ہو گیا کہ) سب اونٹوں سے آگے ہو گیا۔ حضورؐ نے (مجھے) فرمایا کہ اس (اونٹ) کو میرے ہاتھ بیچ دے۔ میں نے عرض کیا (بیچنا کیا) یارسول اللہ بلکہ یہ اب آپؐ ہی کا ہو گیا (یعنی بلا معاوضہ لے لیجئے) آپؐ نے فرمایا (نہیں) بلکہ اسے میرے ہاتھ بیچ دو (پھر) فرمایا کہ میں نے اسے چار دینار کے عوض لے لیا۔ اور مدینہ پہنچنے تک تجھے اس پر سواری کرنے کا حق حاصل ہے۔ پھر جب ہم مدینے کے قریب پہنچے تو میں (حضورؐ سے) رخصت ہونے لگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کدھر کا ارادہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کسی لڑکی سے کیوں نہ کی کہ تو اس سے کھیلتا اور وہ تجھ سے کھیلتی۔ میں نے عرض کیا کہ میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور کئی لڑکیاں چھوڑ گیا ہے۔ اس لئے میں چاہتا تھا کہ کسی ایسی عورت سے شادی

کروں جو تجربہ کار اور بیوہ ہو (تاکہ ان کی دیکھ بھال اچھی طرح کر سکے) آپؐ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے۔ پھر جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ نے (حضرت بلالؓ سے) فرمایا کہ اے بلالؓ جابرؓ کو (اونٹ کی) قیمت ادا کر دو۔ اور اسے زیادہ دینا۔ پس انھوں نے حضرت جابرؓ کو چار دینار دیئے اور ایک قیراط (سونا) زیادہ دیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ دیا ہوا (قیراط) مجھ سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتا۔ وہ قیراط جابرؓ بن عبداللہؓ کی تھیلی (میں ہمیشہ رہتا ہے اور اس) سے کبھی جدا نہیں ہونے پاتا۔

(بخاری)

قیراط دینار کے بیسویں یا چوبیسویں حصے کو کہتے تھے۔

حافظے کا تیز ہو جانا:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، میں آپؐ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں مگر انہیں بھول جاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلاؤ میں نے اسے پھیلایا تو آپؐ نے دونوں ہاتھوں سے چلّو بنایا (اور اُس چادر میں ڈال دیا) پھر فرمایا کہ (اس چادر کو) اپنے اُوپر لپیٹ لو چنانچہ میں نے اسے اپنے اوپر لپیٹ لیا۔ پھر (اس کے بعد) میں کچھ نہیں بھولا۔

(بخاری)

ابوجہل کا دہشت زدہ ہو جانا:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور

اسلام کے دشمن) ابوجہل نے (لوگوں سے) کہا کہ کیا محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) تمہارے سامنے اپنا منہ (نعوذ باللہ) خاک آلود کرتے ہیں (یعنی سجدہ کرتے ہیں) اُسے جواب دیا گیا کہ ہاں۔ اس پر اس نے (اپنے بتوں لات اور عزّیٰ کی قسم کھاتے ہوئے) کہا کہ لات کی قسم اور عزّیٰ کی قسم کہ اگر میں نے انہیں ایسے کرتے ہوئے دیکھ لیا تو میں (نعوذ باللہ) اُن کی گردن روند دوں گا۔ یا اُن کے مُنہ کو مٹی میں رلا دوں گا۔ حضرت ابوہریرہؓ بتلاتے ہیں کہ پھر جب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز پڑھ رہے تھے۔ تو ابوجہل اس نیّت سے آیا کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کی گردن روندے (مگر) پھر لوگ یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ (حضورؐ کی طرف بڑھنے کی بجائے) وہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے (کسی چیز سے) بچ رہا ہے۔ اس پر اُسے کہا گیا کہ تجھے کیا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ میرے اور ان کے (یعنی حضورؐ کے) درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ہول (پیدا ہونے والا منظر) ہے اور بازو ہیں۔ پھر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر یہ میرے قریب آجاتا تو فرشتے اس کا عُضو عُضو نوچ لیتے الخ (مسلم)

اس حدیث میں بھی حضورؐ کا ایک معجزہ بیان ہوا ہے کہ جب دشمن اسلام ابوجہل ایک ناسدا رادے سے حضورؐ کی طرف آیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے حضورؐ کے اور اپنے درمیان ایسی ہولناک چیزیں نظر آئیں کہ وہ آگے بڑھ کر حضورؐ پر (نعوذ باللہ) حملہ کرنے کی بجائے اپنے آپ کو بچانے کے لئے الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا۔ اس حدیث میں جو بازوؤں کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ اسے فرشتوں کے بازو نظر آنے لگے جو اس بات کے لئے تیار تھے کہ اگر وہ حضورؐ کے ساتھ کسی قسم کی گستاخی کرے تو اس کی تکا بوٹی اڑا دیں۔

حضورؐ کی نافرمانی کرنے کی سزا ملنا :

حضرت سلمہؓ بن الاکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بائیں ہاتھ سے (کھانا) کھایا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے کھا۔ وہ بولا کہ میں (ایسے) نہیں کر سکتا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ (خدا کرے) تو نہ کر سکے۔ (حضرت سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ) اس نے جو (حضورؐ کا حکم ماننے سے) انکار کیا تھا وہ تکبّر کے باعث کیا تھا (اور) وہ بتاتے ہیں کہ (حضورؐ کی بددعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ) پھر وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ تک اٹھا ہی نہ سکا۔ (مسلم)

حضورؐ کا پشت کے پیچھے سے دیکھ لینا :

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ (نماز میں امامت کراتے ہوئے) میرا منہ اس طرف ہوتا ہے (اور میں دیکھ نہیں سکتا کہ میری پشت کے پیچھے تم کس طرح نماز پڑھ رہے ہو۔ نہیں ایسے نہیں ہے) خدا کی قسم مجھ پر نہ تمہارا خشوع (و خضوع) چھپا ہوتا ہے نہ تمہارا رکوع (و سجدہ) بے شک میں اپنی پشت کے پیچھے سے (بھی) تمہیں (اسی طرح) دیکھتا ہوں (جس طرح سامنے سے) (بخاری)

کھانے کی اشیاء میں برکت :

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ (ان کے سوتیلے والد) حضرت ابوطلحہؓ نے (اپنی اہلیہ اور حضرت انسؓ کی والدہ) حضرت اُمّ سُلیمؓ سے کہا کہ

میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آواز میں کمزوری محسوس کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپؐ کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ کیا تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے۔ حضرت اُمّ سلیمؓ نے جواب دیا کہ ہاں (ہے) پھر انہوں نے جو کی کچھ روٹیاں نکالیں، پھر اپنی ایک اوڑھنی لے کر اُس کے ایک حصّے میں ان روٹیوں کو لپیٹا اور اسے میرے کپڑے کے نیچے چھپا دیا۔ اور اوڑھنی کا دوسرا حصہ مجھے اوڑھا دیا پھر مجھے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف بھیجا میں اسے لے کر چلا تو میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مسجد میں بیٹھے پایا اور آپؐ کے ساتھ (اور) لوگ (بھی) تھے۔ میں ان کے پاس کھڑا ہو گیا۔ تو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کیا تمہیں ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کیا کھانے کے لیے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ اس پر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ہمراہیوں کو (مخاطب کر کے) فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ پس حضورؐ (اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر) چل پڑے اور میں اُن لوگوں کے آگے آگے چلا، یہاں تک کہ میں حضرت ابوطلحہؓ کے پاس آ پہنچا اور انہیں (سارے واقعے کی) خبر دی۔ حضرت ابوطلحہؓ نے (میری والدہ سے) کہا کہ اے امّ سُلیمؓ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم تو لوگوں کو ساتھ لے کر تشریف لے آئے ہیں اور ہمارے پاس (اتنا کھانا) نہیں ہے جو ہم انہیں کھلا سکیں۔ اس پر حضرت امّ سلیمؓ نے کہا کہ خدا اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ پھر حضرت ابوطلحہؓ آگے بڑھ کر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ملے

اور رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم انہیں ساتھ لے کر تشریف لے آئے یہاں تک کہ دونوں (گھر میں) داخل ہو گئے۔ پھر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اے امّ سُلیمؓ جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ۔ پس وہ وہی روٹیاں

لے آئیں۔ اور رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم پر انہیں چورا چورا کیا گیا اور حضرت امّ سُلیم رضؓ نے اپنی (گھی کی) کُپّی اُن پر نچوڑ دی ۔ یہ (گھی گویا) ان روٹیوں کے لیے سالن بن گیا ۔ پھر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُس (کھانے) کے بارے میں جو کچھ خُدا کو منظور ہوا دعا فرمائی پھر فرمایا کہ دس (آدمیوں) کو اجازت دو (کہ اندر آکر کھانا کھا لیں) پس انہیں اجازت دی گئی تو انہوں نے (وہ کھانا) کھایا یہاں تک کہ سیر ہو کر باہر چلے گئے ۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ دس (اور) آدمیوں کو (اندر آنے کی) اجازت دو ۔ چنانچہ انہیں اجازت دی گئی، پس انہوں نے (بھی) کھایا ۔ یہاں تک کہ سیر ہو گئے (اور) پھر چلے گئے ۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ دس (اور) کو اجازت دو (غرضیکہ ایسے ہی ہوتا رہا) یہاں تک کہ سب لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا اور وہ لوگ ستر آدمی تھے یا اسی تھے ۔

(مسلم)

حضرت عبد الرحمٰن رضؓ بن ابی بکر رضؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سو تیس آدمی رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے ۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی کھانا ہے تو ایک شخص کے پاس ایک صاع یا اس کے قریب آٹا نکلا ۔ پس اُسے گوندھا گیا ۔ پھر ایک پراگندہ بالوں والا دراز قد مشرک بکریاں ہنکاتا آگیا ۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (اس سے) فرمایا کہ کیا (بکری) بیچو گے یا تحفے کے طور پر دے دو گے ۔ یا آپؐ نے (یوں) فرمایا کہ کیا (بیچو گے یا) بلا قیمت دے دو گے ۔ اس نے کہا کہ نہیں بلکہ بیچوں گا ۔ پس حضورؐ نے اُس سے ایک بکری خریدی ۔ پھر اُس کا گوشت تیار کیا گیا اور رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ (اُس کی) کلیجی بھونی جائے (حضرت عبد الرحمٰن رضؓ) بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم ایک سو تیس آدمیوں میں سے کوئی

ایسا نہ تھا جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (بکری) کی کلیجی کا ٹکڑا کاٹ کر نہ دیا ہو۔ اگر کوئی حاضر تھا تو اسے دے دیا۔ اور اگر کوئی غیر حاضر تھا تو اس کے لئے ڈھانپ کر رکھ دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ (یہ بھی) بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بڑے پیالوں میں گوشت نکالا۔ پس ہم سب نے ان پیالوں سے سیر ہو کر کھایا اور (پھر بھی) دونوں پیالوں میں گوشت بچ رہا تو میں نے اُسے اونٹ پر رکھ لیا او کما قال۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ (حضورؐ کی ایک صحابیہ) حضرت امّ مالکؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ایک کُپّی میں گھی کا تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔ پھر (جب) ان کے بیٹے ان کے پاس آتے اور سالن مانگتے اور ان لوگوں کے پاس کچھ نہ ہوتا تو حضرت امّ مالکؓ اس (کُپّی) کے پاس جاتیں جس میں وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ بھیجا کرتی تھیں تو اس میں گھی ہوتا اسی طرح ہمیشہ ان کے گھر کا سالن چلتا رہتا۔ یہاں تک کہ (ایک دفعہ) انہوں نے اس (کپّی) کو نچوڑ لیا۔ (تو پھر انہیں اس میں گھی ملنا بند ہو گیا) پھر وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں (اور دریافت کی) تو حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے اسے نچوڑ لیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم اسے اسی طرح رہنے دیتیں (اور نہ نچوڑتیں) تو وہ ہمیشہ قائم رہتا (یعنی اس گھی میں برکت رہتی اور وہ تمہیں ملتا رہتا) (مسلم)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ (جنگ) خندق کے دن ہم (خندق) کھود رہے تھے کہ ایک سخت پتھر آ گیا۔ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خندق میں ایک سخت پتھر نکل آیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں اترتا ہوں۔ پھر آپؐ کھڑے ہوئے تو آپؐ کے پیٹ کے ساتھ

(فاقے کے باعث) پتھر بندھا ہوا تھا (ہم بھی فاقے سے تھے) اور تین دن سے ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا (کیونکہ جنگ خندق کے دوران بہت فقر وفاقہ آیا تھا) پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال پکڑی اور (اس سخت پتھر پر) ضرب لگائی تو وہ ایسے (ریزہ ریزہ) ہو گیا۔ جیسے بہنے والی ریت کا ٹیلہ (حضورؐ کے پیٹ پر پتھر بندھا دیکھ کر مجھے شدید صدمہ ہوا) پس میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ مجھے گھر تک جانے کی اجازت دیجئے۔ پھر (جب میں گھر پہنچا تو) میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کچھ ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ مجھ سے صبر نہیں ہو سکا۔ کیا تمہارے پاس (کھانے کو) کچھ ہے۔ اس نے کہا میرے پاس کچھ جو ہیں۔ اور ایک بکری کا بچہ ہے۔ پس میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور میری بیوی نے جو پیسے یہاں تک کہ ہم نے گوشت ہنڈیا میں ڈالا (اور اسے پکنے کے لئے رکھ دیا) پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت تک آٹا خمیر ہو چکا تھا اور چولہے پر ہنڈیا پکنے کے قریب تھی۔ میں نے (حضورؐ کی خدمت میں) عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، میرے پاس تھوڑا سا کھانا ہے، پس آپؐ بھی آیئے اور ایک یا دو اور آدمی (بھی آپؐ کے ساتھ آ جائیں) حضورؐ نے فرمایا کہ کھانا کتنا ہے۔ میں نے آپؐ کو بتایا (کہ کچھ جو اور ایک بکری کا بچہ ہے) آپؐ نے فرمایا کہ بہت ہے، اچھا ہے۔ (پھر مجھ سے) فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں آ نہ جاؤں ہنڈیا کو (چولہے سے نیچے) نہ اتارے اور نہ روٹیوں کو تنور سے نکالے۔ پھر (اپنے ساتھیوں سے) فرمایا کہ اٹھو، تو مہاجرین اور انصار اٹھ کھڑے ہو گئے۔ پھر میں اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور (پریشان ہو کر) کہنے لگا کہ تیری خرابی ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو مہاجرین اور انصار اور جو لوگ آپؐ کے

ساتھ تھے (سب) کو لے کر تشریف لے آئے ہیں (اور کھانا تو تھوڑا سا ہے) میری بیوی نے کہا کہ کیا حضورؐ نے آپ سے پوچھا تھا (کہ کھانا کتنا ہے) میں نے کہا کہ ہاں (پوچھا تھا) پھر حضورؐ نے (اپنے ساتھیوں سے) فرمایا کہ داخل ہو جاؤ اور آپس میں دھکم دھکا نہ کرنا پھر حضورؐ ایسے کرنے لگے کہ روٹی کو توڑتے، اس پر گوشت رکھتے۔ پھر جب یہ لے لیتے تو ساتھ ہی ہنڈیا اور تنور کو ڈھانپ دیتے اور روٹی اور گوشت اپنے اصحابؓ کے آگے رکھتے جاتے۔ پھر (اور کھانا) نکالتے، پس آپؐ ایسے ہی روٹیوں کے ٹکڑے کرتے، (اور گوشت) کاٹتے (اور اپنے اصحابؓ کو دیتے) رہے یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے۔ اور کچھ کھانا بچ بھی رہا۔ آپؐ نے (حضرت جابرؓ کی بیوی سے) فرمایا کہ تو بھی کھا اور (دوسروں کو بھی) تحفہ بھیج کیونکہ لوگ بھوک کے باعث مصیبت میں ہیں۔ (بخاری)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آپؐ سے کھانا مانگنے کے لئے حاضر ہوا۔ حضورؐ نے اسے آدھ وسق جو عطا فرمائے (ان میں خدا نے وہ برکت دی کہ) وہ شخص خود بھی اُن میں سے کھاتا رہا اور اس کی بیوی بھی اور ان کا مہمان بھی، یہاں تک کہ (ایک دن) اس نے انہیں ناپ لیا (تو پھر وہ برکت نہ رہی) پھر وہ شخص رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے اسے فرمایا کہ اگر تو انہیں نہ ناپتا تو تم ان میں سے کھاتے رہتے اور وہ تمہارے لیے بدستور باقی رہتے۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد (جنگ) اُحد کے دن شہید ہو گئے اور ان پر قرض تھا (ان کے) قرض داروں نے اپنے حقوق کے بارے میں سختی برتی (اور شدت سے تقاضا کیا کہ ان کا قرض ادا کیا جائے)

اس پر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (اور آپ سے مدد چاہی) آپ نے ان سے کہا کہ وہ میرے باغ کی کھجور قبول کر لیں اور میرے باپ کا (بقیہ) قرضہ معاف کر دیں۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا باغ انہیں نہ دیا اور فرمایا کہ صبح ہم تمہارے پاس آئیں گے پھر جب صبح ہوئی تو حضورؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور نخلستان میں گھومے اور اس کے پھل کے لیے برکت کی دعا کی۔ پھر میں نے پھل کاٹ لیا اور (حضورؐ کی دعا کے باعث اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ میں نے قرض خواہوں کا سارا قرضہ ادا کر دیا۔ اور (اس کے باوجود) کچھ کھجور ہمارے پاس بچ بھی رہی۔ (بخاری)

پانی میں برکت:

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ (صلح) حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگ آئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (پانی کی) ایک چھاگل تھی۔ آپ نے وضو کیا تو لوگ تیزی سے آپ کی طرف آئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس وضو کرنے کے لئے اور پینے کے لیے پانی نہیں۔ بس یہی (پانی) ہے جو آپ کے سامنے ہے اس پر حضورؐ نے اپنا ہاتھ چھاگل میں رکھ دیا۔ تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اس طرح ابلنے لگا جیسے چشمے ابلتے ہیں۔ پس ہم نے (پانی) پیا اور وضو کیا (اس حدیث کے ایک راوی بیان کرتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ آپ لوگ کتنے تھے۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو بھی وہ (پانی) ہمارے لیے کافی ہوتا (ویسے) ہم پندرہ سو تھے۔ (بخاری)

جب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مکّہ مکرّمہ سے مدینہ منوّرہ ہجرت فرمائی تو مکّہ مکرّمہ پر کافروں کا قبضہ تھا جو مسلمانوں کو آسانی سے حج نہیں کرنے دیتے تھے ہجرت کے چھٹے سال حضورؐ چودہ ۱۴ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر حج کرنے تشریف لے گئے مگر کافروں نے اندر نہ آنے دیا۔ اس وقت حضورؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جس مقام پر ٹھہرے تھے وہ مکّہ مکرّمہ سے کم و بیش ایک منزل کے فاصلے پر تھا اور اس کا نام حدیبیہ تھا۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے حضرت عثمانؓ مکّے کے اندر گئے تو کافروں نے انہیں نظر بند کر دیا۔ باہر افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا ضروری ہے۔ پھر آپؐ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ اس بیعت کو "بیعت رضوان" کہتے ہیں جس کا مطلب ہے وہ بیعت جس سے مسلمانوں کو خدا کی رضا حاصل ہوئی۔

آخر مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک معاہدہ قرار پا گیا کہ دس برس تک باہم صلح رہے گی۔ اس معاہدے کے بارے میں بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ گویا ہماری کمزوری کی علامت ہے گویا ہم نے دب کر صلح کی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے وہ آیات نازل فرمائیں جو چھبیسویں پارے میں سورۃ الفتح کے آغاز میں ہیں۔ پہلی آیت ہے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔

یعنی اے نبیؐ بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا فرمائی ہے۔

اس معاہدے کی بنا پر مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے علاقوں میں آنے جانے لگے۔ اس میل جول کے باعث کافروں پر مسلمانوں کی عمدہ سیرت اور مذہب اسلام کا گہرا اثر پڑا اور وہ بکثرت مسلمان ہوئے۔ پھر چند سال ہی ہوئے

تھے کہ کافروں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی جس سے یہ ٹوٹ گیا۔ چنانچہ ہجرت کے آٹھویں سال حضور نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے کافروں کی حکومت ختم ہو گئی۔ یہ فتح "فتح مکہ" کہلاتی ہے۔ اس طرح صلح حدیبیہ واقعی فتح ثابت ہوئی کیونکہ اس کے باعث بکثرت لوگ مسلمان ہوئے اور انجام کار مکہ بھی فتح ہو گیا۔ ذیل کی حدیث میں انہیں واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت البراءؓ فرماتے ہیں کہ (اے لوگو) تم خیال کرتے ہو کہ (اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا میں جس) فتح (کا ذکر ہے وہ) فتح مکہ ہے۔ بے شک مکہ کی فتح بھی ایک فتح ہی ہے۔ مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ (اس آیت میں) فتح (سے مراد) بیعت رضوان ہے جو (صلح) حدیبیہ کے دن ہوئی تھی۔ (اس وقت) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم چودہ سو آدمی تھے۔ حدیبیہ ایک کنواں تھا۔ ہم نے اس کا سارا پانی کھینچ لیا اور اس میں ایک قطرہ نہ چھوڑا۔ یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ کنویں کے پاس تشریف لائے اور اس کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے پانی کا ایک برتن منگوایا۔ پھر وضو کیا پھر کلی کی اور دعا کی، پھر اس پانی کو کنویں میں ڈال دیا۔ پھر کچھ دیر ہم نے اسے یونہی رہنے دیا، پھر دیکھا تو اس میں اتنا پانی آ چکا تھا کہ) اس نے ہمیں بھی اور ہماری سواریوں کو بھی خوب جی بھر کر سیراب کیا۔ (بخاری)

نام ، حُلیہ مُبارکؐ ، رفتار و گفتار وغیرہ

نام اور کنیت :

حضرت جُبَیرؓ بن مُطعم بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میرے کئی نام ہیں ، میں محمّد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحیؐ ہوں (یعنی مٹا دینے والا) کہ اللہ میرے ذریعے کفر کو مٹائے گا۔ اور میں وہ حاشر ہوں کہ لوگوں کا حشر میرے (نقشِ) قدم پر ہوگا۔ اور میں وہ عاقب ہوں (یعنی بعد میں آنے والا) کہ جس کے بعد کوئی (نبی) نہیں آئے گا اور (اس حدیث کے راوی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کا نام رؤف اور رحیم (بھی) رکھا (یعنی بہت شفقت کرنے والے اور بہت مہربانی کرنے والے) (مسلم)

یہ جو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کا حشر میرے نقش قدم پر ہوگا۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ حضورؐ میدان حشر میں آگے آگے ہوں گے اور لوگ آپ کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگ آپؐ کے

دین پر اٹھیں گے کیونکہ آپ کا دین آخری دین ہے ۔ یا پھر اس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضورؐ اٹھیں گے اور لوگ آپؐ کے بعد اٹھیں گے، آپؐ کے نقشِ قدم پر ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اپنے کئی نام بیان فرمایا کرتے تھے ۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ میں محمدؐ ہوں اور احمد ہوں اور مُقفّی ہوں (یعنی تمام انبیاء کے بعد آنے والا) اور میں حاشر ہوں اور میں نبیِّ توبہ ہوں اور میں نبیِّ رحمت ہوں ۔ (مسلم)

نبیِّ توبہ اور نبیِّ رحمت کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ توبہ اور رحمت لے کر تشریف لائے تھے ۔ حضورؐ نے جو تعلیمات دیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک موت سامنے نہ آجائے توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور حضورؐ مزاجاً بھی انسانوں کے لئے بہت رحیم تھے اور جو دین آپؐ لے کر آئے وہ بھی انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہے ۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے قاسم شیر خوارگی ہی میں وفات پا گئے تھے ۔ ان کے نام کی وجہ سے حضورؐ کی کنیت ابوالقاسم تھی ۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے کہ ایک شخص نے پکارا : " اے ابوالقاسم " رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم (نے سمجھا کہ شاید مجھے پکارا گیا ہے ، لہٰذا آپؐ) اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے عرض کیا کہ میں نے (آپ کو تو نہیں بلکہ) اس شخص کو بلایا تھا ۔ اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام پر نام رکھ لیا کرو مگر میری کنیت پر کنیت نہ رکھا کرو ۔

(بخاری)

حُلیۂ مُبارک :

ابراہیم بن محمدؒ جو حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حُلیہ مبارک بیان کرتے تو فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے تھے اور نہ زیادہ چھوٹے قد والے بلکہ آپؐ درمیانے قد والے لوگوں میں سے تھے۔ آپؐ کے بال نہ بہت پیچدار تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ کچھ پیچیدگی لئے ہوئے تھے۔ اور آپؐ نہ بہت موٹے بدن والے تھے نہ بالکل گول چہرے والے بلکہ آپؐ کے چہرۂ انور میں کچھ گولائی تھی۔ آپؐ کا رنگ سفید سُرخی مائل تھا۔ آپ کی آنکھیں سیاہ تھیں اور پلکیں دراز تھیں۔ آپؐ کی ہڈیوں کے جوڑ موٹے تھے۔ اور دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ موٹی اور پُر گوشت تھی۔ آپؐ کے بدن پر بال نہ تھے (ہاں) سینے سے ناف تک بالوں کی ایک سیدھی لکیر تھی۔ آپؐ کے ہاتھ اور پاؤں پُر گوشت تھے۔ جب آپؐ چلتے تو قوت سے پاؤں اٹھاتے گویا آپ (بلندی سے) نیچے کی طرف آ رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت تھی اور آپؐ نبیوں کے ختم کرنے والے تھے۔ آپؐ سب لوگوں سے زیادہ سخی دل والے، سب سے زیادہ سچی زبان والے، سب سے زیادہ نرم طبیعت والے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے۔ جو آپؐ کو یکایک دیکھتا وہ آپؐ سے مرعوب ہو جاتا۔ اور جو پہچان کر میل جول رکھتا وہ آپؐ کو محبوب بنا لیتا۔ آپؐ کا حُلیہ بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ آپؐ سے پہلے کوئی دیکھا اور نہ آپؐ کے بعد۔ (شمائل ترمذی)

حضرت حسن رضؓ بن علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ سے (رسول خدا صلیؐ اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کے بارے میں) سوال کیا۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک بڑی وضاحت سے بیان کرتے تھے۔ مجھے بھی خواہش ہوئی کہ وہ میرے سامنے بھی کچھ بیان کریں جسے میں حرزِ جان بنا لوں۔ لہٰذا انہوں نے بیان کیا کہ رسول خدا صلیؐ اللہ علیہ وسلم خود اپنی ذات کے اعتبار سے بھی عالی مرتبت تھے اور دوسروں کی نگاہوں میں بھی عالیشان تھے۔ آپ کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا آپ کا قد درمیانے قد والے آدمی سے کسی قدر لمبا تھا اور بہت لمبے قد والے آدمی سے چھوٹا تھا۔ سر مبارک بڑا تھا، بال کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر سر کے بالوں میں خود مانگ نکل آتی تو رہنے دیتے ورنہ خود مانگ نہ نکالتے۔ جب آپ بالوں کو بڑھاتے تو وہ کانوں کی لو سے متجاوز ہو جاتے آپ کا رنگ چمکدار تھا۔ پیشانی کشادہ تھی، ابرو باریک خمدار اور گنجان تھے، (دونوں ابرو جدا جدا تھے) ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت ابھر آتی تھی۔ آپ کی ناک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک (چمک اور) نور تھا۔ ابتداءً دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا۔ آپ کی ریش مبارک بھرپور اور گنجان تھی۔ رخسار ہموار تھے۔ دہن مبارک فراخ تھا۔ سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل تھا۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی۔ آپ کی گردن مبارک (اتنی خوب صورت اور سڈول تھی گویا) پتلی کی گردن تھی۔ اور (رنگ میں) ایسی صاف جیسے چاندی۔ آپ کے تمام اعضا (نہایت) معتدل اور پر گوشت تھے۔ اور بدن گٹھا ہوا تھا۔ پیٹ اور سینۂ مبارک ہموار تھے۔ سینہ فراخ تھا۔ آپ کے دونوں

مونڈھوں کے درمیان فصل قدرے زیادہ تھا۔ جوڑوں کی ہڈیاں قوی اور بڑی بڑی تھیں۔ کپڑے اُترے ہوئے ہونے کی حالت میں آپؐ کا جسم مبارک روشن اور چمکدار نظر آتا تھا۔ سینے سے ناف تک ایک لکیر کی طرح بالوں کی باریک دھاری تھی۔ اس دھاری کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی تھا (البتہ) دونوں بازوؤں اور کندھوں اور سینۂ مبارک کے بالائی حصّے میں بال تھے۔ آپؐ کی کلائیاں دراز تھیں اور ہتھیلیاں فراخ تھیں (نیز) آپؐ کی دونوں ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں گداز اور پُرگوشت تھے۔ آپؐ کی انگلیاں لمبی تھیں، تلوے گہرے تھے اور قدم ہموار تھے، پانی (ان پر نہیں ٹھہرتا تھا، بلکہ ان کی چکنائی اور نرمی کی وجہ سے) ان پر سے نیچے ڈھل جاتا تھا۔ جب آپؐ چلتے تھے تو قوت سے قدم اٹھاتے تھے اور آگے کی طرف جُھک کر چلتے تھے۔ قدم زمین پر آہستہ پڑتا۔ آپؐ تیز رفتار تھے۔ جب آپؐ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا (بلندی سے) نشیب کی طرف اتر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے جسم مبارک کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ آپؐ نگاہیں نیچی رکھتے اور آپؐ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی۔ آپؐ اکثر گوشۂ چشم سے دیکھتے (چلتے ہیں) اپنے صحابہؓ کو اپنے سے آگے رکھتے اور جس سے ملتے اسے پہلے خود سلام کرتے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت جابرؓ بن سَمُرَہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم فراخ دہن تھے۔ اور آپؐ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے اور آپؐ کی ایڑیوں پر بہت کم گوشت تھا۔ (مسلم)

جُرَیری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالطفیلؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ ہاں، حضورؐ کا رنگ سفید

تھا اور چہرے پر ملاحت تھی (مسلم)

موئے مبارک :

حضرت قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے پوچھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کیسے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ درمیانہ قسم کے پیچدار تھے۔ نہ زیادہ گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے (پھر انہوں نے بالوں کی لمبائی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ) حضورؐ کے کانوں اور مونڈھوں کے درمیان تک تھے۔ (مسلم)

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں کو مانگ نکالے بغیر کھلا چھوڑ دیتے تھے (بات یہ تھی کہ) مشرک لوگ اپنے سروں میں مانگ نکالا کرتے تھے۔ اور اہل کتاب بغیر مانگ نکالے اپنے بال یونہی کھلے چھوڑ دیتے تھے اور حضورؐ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ جس معاملے میں (اللہ تعالیٰ کا) کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو اس میں (مشرکین کے مقابلے میں) اہل کتاب کی موافقت کریں۔ پھر (بعد میں جب عرب میں اسلام پھیل گیا اور مشرکوں کی مشابہت کا خطرہ نہ رہا تو) آپؐ نے سر میں مانگ نکالنا شروع کر دیا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت محمدؐ بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے پوچھا کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آپؐ نے بڑھاپا دیکھا ہی نہیں مگر تھوڑا۔ (مسلم)

حضرت انسؓ کی مراد یہ تھی کہ حضورؐ کے سر اور ریش مبارک میں بہت کم سفید بال تھے۔ زیادہ سفید بال ہوتے تو خضاب کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

حضرت ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضؓ بن مالک سے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خضاب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ (حضورؐ کے سفید بال اتنے کم تھے کہ) اگر میں چاہتا کہ آپؐ کے سر کے سفید بال گن لوں تو میں گن سکتا تھا اور فرمایا کہ حضورؐ نے خضاب نہیں کیا۔ البتہ حضرت ابوبکر رضؓ نے مہندی اور وسمے سے خضاب کیا اور حضرت عمر رضؓ نے صرف مہندی سے خضاب کیا۔ (مسلم)

حضرت جابر رضؓ بن سمرہ رضؓ سے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بالوں کی سفیدی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ جب حضورؐ سر میں تیل لگاتے تھے تو کچھ سفیدی نظر نہ آتی تھی۔ اور جب تیل نہ لگایا ہوتا تو کچھ نظر آتی تھی۔ (مسلم)

حضرت ابو جُحَیفہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا آپؐ کا رنگ سفید تھا (اور کچھ) بڑھاپا آگیا تھا۔ حضرت حسن رضؓ بن علی رضؓ آپؐ کے مشابہہ تھے۔ (مسلم)

حضورؐ کا تبسّم :

صحیح بخاری میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس کے ایک حصّے میں رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تبسّم کا ذکر ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس طرح (منہ کھول کر) ہنستے نہیں دیکھا کہ میں آپؐ کے مسوڑھے (یا تالو) دیکھ لیتی۔ آپؐ تو صرف مسکراتے تھے الخ

(بخاری)

حضرت عبداللہؓ بن حارث بن جزءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔
(شمائل ترمذی)

حضورؐ کی رفتار:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کوئی شے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھی (آپؐ کے چہرۂ مبارک میں ایسی روشنی اور چمک تھی) گویا کہ آپؐ کے چہرے میں سورج چمک رہا ہو اور میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا گویا کہ زمین آپؐ کے لیے لپٹتی چلی جاتی تھی (آپؐ کے ساتھ چلتے ہوئے آپؐ کی رفتار کا ساتھ دینے کے لئے) ہم اپنے اوپر مشقت ڈالتے تھے، مگر آپؐ کو پرواہ بھی نہ ہوتی (آپؐ گویا اپنی معمولی رفتار سے چل رہے ہوتے)
(شمائل ترمذی)

ابراہیم بن محمدؒ جو حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کرتے تو فرماتے کہ جب آپؐ چلتے تو قوت سے پاؤں اٹھاتے، گویا آپؐ اونچائی سے نیچے اتر رہے ہیں۔
(شمائل ترمذی)

حضرت نافع بن جبیرؒ بن مطعم بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو آگے کی طرف جھک کر چلتے گویا کہ بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔
(شمائل ترمذی)

حضورؐ کی گفتار :

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم تم لوگوں کی طرح لگاتار جلد جلد گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ آپؐ کی گفتگو واضح ہوتی اور آپ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر باتیں کرتے کہ آپؐ کے پاس بیٹھا ہوا شخص اسے اچھی طرح یاد کرلیتا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم بات کو تین دفعہ دہراتے تاکہ آپؐ کے سننے والے اُسے اچھی طرح سمجھ لیں۔ (شمائل ترمذی)

حضرت حسنؓ بن علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ سے جو رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کے اوصاف بہت زیادہ بیان کیا کرتے تھے کہا کہ مجھ سے حضورؐ کی گفتگو کی کیفیت بیان کیجئے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم اکثر غمگین رہا کرتے تھے۔ ہر وقت سوچ میں رہتے تھے۔ آپؐ کو (بے فکری اور) راحت نہیں ہوتی تھی۔ اکثر اوقات خاموش رہتے، بے ضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ کلام کا آغاز اور اختتام انتہائی بلیغ انداز میں کرتے، جامع الفاظ کے ساتھ کلام فرماتے تھے (جن میں الفاظ تھوڑے اور معانی زیادہ ہوتے) آپؐ کا کلام کھلا ہوا اور صاف صاف ہوتا تھا (یعنی ہر جملہ الگ الگ ہوتا تھا یا پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ آپؐ کا کلام حق اور باطل کو جُدا جُدا کرنے والا ہوتا تھا) نہ آپؐ کے کلام میں فضول باتیں ہوتی تھیں اور نہ کوتاہیاں (کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو) نہ آپؐ سخت مزاج تھے نہ کسی کی تذلیل فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت چاہے کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو اس کو بڑا سمجھتے تھے کسی

نعمت کی مذمت نہیں فرماتے تھے ، البتہ کھانے کی اشیاء کی نہ مذمت کرتے تھے اور نہ تعریف فرماتے تھے۔ دنیا اور دُنیاوی اُمور کی وجہ سے آپؐ کو غصہ نہیں آتا تھا۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی دینی امر میں زیادتی کرتا تو (آپؐ غضبناک ہو جاتے اور) آپؐ کا غصہ کسی شئے سے نہ جاتا۔ یہاں تک کہ آپؐ اس کا بدلہ لے لیتے اپنی ذات کے معاملے میں نہ آپؐ کو غصہ آتا تھا نہ آپؐ اپنے لیے انتقام لیتے تھے۔ جب آپؐ اشارہ کرتے تو پوری ہتھیلی کے ساتھ اشارہ کرتے اور جب آپؐ کو تعجب ہوتا تو ہاتھ کو الٹا دیتے اور جب گفتگو فرماتے تو آپ کا کلام مربوط ہوتا (یا گفتگو کے ساتھ ہاتھوں کو بھی حرکت دیتے) اور داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصّے پر مارتے اور جب ناراض ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور ناپسندیدگی کے ساتھ روگردانی کرتے اور جب خوش ہوتے تو نگاہ نیچی کر لیتے۔ آپؐ کی ہنسی اکثر مسکراہٹ (کی شکل میں) ہوتی تھی۔ آپؐ ہنستے تو آپؐ کے دندان مبارک (سفیدی اور چمک کے باعث یوں) نظر آتے جیسے بارش کے اولے ہوں۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم جب سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے اور جب کوئی بات کہتے تو تین بار کہتے۔ (بخاری)

مُہرِ نبوّت :

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پشت پر دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوّت تھی۔

حضرت جابرؓ بن سمُرۃ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلّی اللہ

علیہ وسلّم کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوّت دیکھی ۔ وہ سرخ رنگ کی رسولی جیسی تھی اور کبوتری کے انڈے کے برابر تھی ۔ (شمائل ترمذی)

شمائل ترمذی میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس کے ایک حصّے میں مہرِ نبوّت کا ذکر ہے ۔ جو درج ذیل ہے ۔

حضرت عبداللہؓ بن سرجس بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپؐ اس وقت اپنے اصحاب کے مجمع میں تھے ۔ میں نے آپؐ کے پیچھے اس طرح چکر لگایا ۔ حضورؐ سمجھ گئے کہ میرا کیا ارادہ ہے ۔ آپؐ نے اپنی پشت مبارک سے چادر اُتار دی ، پس میں نے آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہر نبوت کی جگہ کو دیکھا ۔ وہ بند مٹھی کی طرح تھی جس کے ارد گرد تِل تھے ۔ جو گویا کہ مسّے تھے ۔ الخ (شمائل ترمذی)

حضرت سائبؓ بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ مجھے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لے گئی اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ (یہ) میرا بھانجا بیمار ہے ۔ حضورؐ نے میرے سَر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی پھر آپؐ نے وضوء کیا اور میں نے آپؐ کے وضوء کا (بچا ہوا) پانی پی لیا ۔ پھر میں حضورؐ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہو گیا ۔ اور میں نے آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان آپؐ کی مہر (نبوّت) دیکھی جو مسہری کی گھنڈیوں کی طرح تھی ۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ بن سَمُرَہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سر مبارک اور ڈھاڑی کے آگے کا حصّہ سفید ہو گیا تھا ۔ جب آپؐ تیل لگاتے تو (یہ سفیدی) ظاہر نہ ہوتی اور جب سر کے بال پراگندہ ہوتے تو

سفیدی ظاہر ہو جاتی۔ آپؐ کی ڈھاڑی بہت گھنی تھی۔ ایک شخص نے (حضرت جابرؓ سے) پوچھا کہ کیا حضورؐ کا چہرہ تلوار کی طرح تھا۔ حضرت جابرؓ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ سورج اور چاند کی طرح تھا۔ اور گول تھا۔ اور میں نے آپؐ کے کندھے کے پاس مُہرِ نبوّت دیکھی جو کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔ اور (رنگت میں) آپؐ کے بدنِ مبارک سے مشابہہ تھی۔ (مسلم)

حُسن و دل کشی:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سفید رنگ والے تھے (بدن مبارک ایسا صاف شفاف اور خوب صورت تھا) گویا کہ آپؐ چاندی سے ڈھالے گئے تھے۔ آپؐ کے بال قدرے گھنگھریالے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی نہ عنبر نہ مُشک اور نہ کوئی اور (خوشبودار) شے ایسی سونگھی جو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم (کے بدنِ مبارک) کی خوشبو سے زیادہ عُمدہ ہو اور میں نے کبھی کوئی ایسی شے نہیں چھوئی، چاہے وہ دیباج ہو یا حریر ہو، جو چھونے میں رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم (کی جلدِ مبارک) سے زیادہ نرم ہو۔ (مسلم)

دیباج اور حریر قیمتی ریشمی کپڑے تھے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا رنگِ مبارک سفید چمکدار تھا۔ اور آپؐ کا پسینہ (اس طرح چمکتا تھا) جیسے موتی، جب آپؐ چلتے تو آگے جھکتے ہوئے زور ڈال کر چلتے اور میں نے کوئی دیباج یا حریر ایسی نہیں چھوئی جو رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہتھیلی مبارک سے

زیادہ نرم ہو اور کوئی مشک یا عنبر ایسا نہیں سونگھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کے جسم مبارک) کی خوشبو سے زیادہ عمدہ ہو۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ بن سمرۃ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر حضورؐ اپنے اہل خانہ کی طرف تشریف لے جانے کے لیے نکلے اور میں بھی آپؐ کے ساتھ نکلا۔ سامنے سے کچھ بچے آپؐ کو ملے تو آپؐ ایک ایک کر کے ان میں سے ہر ایک کے رخساروں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور میرے بھی رخسار پر ہاتھ پھیرا تو میں نے آپؐ کے ہاتھ میں وہ ٹھنڈک یا خوشبو پائی گویا آپؐ نے اسے عطار کے ڈبے سے نکالا تھا۔ (مسلم)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ۱۰ سال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ آپؐ نے کبھی مجھے اُف بھی نہ کہا۔ جب میں نے کوئی کام کیا تو آپؐ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ تُو نے یہ کیوں کیا اور جب میں نے کوئی کام چھوڑ دیا تو آپؐ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ تُو نے اسے کیوں چھوڑ دیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔ میں نے کبھی کوئی خزّ یا کوئی حریر یا کوئی اور شے نہیں چھوئی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کوئی مشک یا کوئی عطر ایسا نہیں سونگھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے سے زیادہ خوشبودار ہو۔ (ترمذی)

خزّ اُون ملے ریشم کو کہتے تھے اور حریر خالص ریشم کو۔

حضرت جابرؓ بن سمرۃ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں کچھ باریک تھیں اور آپؐ ہنستے تو صرف تبسم فرماتے اور میں آپؐ

کی طرف دیکھتا تو خیال کرتا کہ آپؐ سُرمہ لگائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ آپؐ نے سُرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا (بلکہ آپؐ کی آنکھیں قدرتی طور پر سُرمگیں تھیں)

(شمائل ترمذی)

حضرت عبداللہ رضؓ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے آگے کے دو دانتوں کے درمیان کشادگی تھی۔ جب آپؐ گفتگو فرماتے تو آپؐ کے اگلے دانتوں کے درمیان سے ایک نور سا نکلتا نظر آتا۔

(شمائل ترمذی)

حضرت حارث رضؓ بن عمرو سہمی بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا جب آپؐ منیٰ یا عرفات میں تھے اور لوگ آپؐ کے اردگرد پھر رہے تھے۔ عرب دیہاتی آتے تھے اور جب آپؐ کے چہرہ مبارک کو دیکھتے تو کہہ اٹھتے کہ یہ برکت والا چہرہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(ابوداؤد)

حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم میانہ قد تھے آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا، آپؐ گنجان بالوں والے تھے جو آپؐ کے کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔ آپؐ سرخ جوڑے میں ملبوس تھے۔ میں نے کبھی کوئی شے آپؐ صلیّ اللہ علیہ وسلّم سے زیادہ حسین نہیں دیکھی۔

(مسلم)

حضرت جابر رضؓ بن سمرۃ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کو چاندنی رات میں دیکھا اور آپؐ سُرخ جوڑا پہنے ہوئے تھے۔ میں کبھی آپؐ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف تو آپؐ مجھے چاند سے زیادہ خوب صورت معلوم ہوتے۔

(شمائل ترمذی)

ابواسحق بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت براءؓ بن عازب سے پوچھا کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی مانند تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ چاند کی مانند تھا۔

(شمائل ترمذی)

حضورؐ کی غذا، لباس، خوشبو وغیرہ

غذا:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہم نے آپؐ کے لیے ایک بکری ذبح کی (تاکہ اس کا گوشت پکا کر آپؐ کو کھلائیں) تو آپؐ نے فرمایا گویا کہ انہیں معلوم تھا کہ ہمیں گوشت پسند ہے۔ (شمائل ترمذی)

حضورؐ کا یہ جملہ واضح کرتا ہے کہ آپؐ کو گوشت مرغوب تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت پسند تھا۔ اور دست کے گوشت ہی میں (ملا کر) آپؐ کو زہر دیا گیا تھا۔ گمان یہ ہے کہ یہود نے زہر دیا تھا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کو کھانے کی دعوت دی جو اس نے تیار کیا تھا۔ میں بھی اُس کھانے پر رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ گیا۔ درزی نے آپؐ کی خدمت میں جو کی روٹی اور کدو اور خشک گوشت کا شوربا پیش کیا۔ میں نے رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ پیالے کے اطراف سے کدو کے ٹکڑے تلاش کرتے تھے (جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کو کدو مرغوب تھا) اس دن سے میں ہمیشہ کدو کو محبوب رکھتا ہوں۔ (شمائل ترمذی)

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سرکہ بھی کیا ہی اچھا سالن ہے۔ (شمائل ترمذی)

(حضرت علیؓ کی ہمشیر) حضرت امّ ہانیؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کچھ (کھانے کو) ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں سوائے سوکھی روٹی اور سرکے کے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہی لے آؤ۔ جس گھر میں سرکہ موجود ہو وہ سالن سے خالی نہیں ہوتا۔ (یعنی سرکہ سالن ہی ہے کہ اس کے ساتھ روٹی لگا کر کھائی جا سکتی ہے) (شمائل ترمذی)

حضرت عبداللہؓ بن سلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ آپؐ نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا۔ اور اس پر ایک کھجور رکھی۔ پھر فرمایا کہ یہ (کھجور) اس (روٹی) کا سالن ہے۔ پھر اسے نوش فرما لیا۔ (شمائل ترمذی)

یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح غذا کے معاملے میں بھی حضورؐ تکلف پر زور نہیں دیتے تھے۔ سرکہ اور کھجور کو بھی

آپؐ نے سالن ہونے کے لیے کافی سمجھا اگرچہ آپؐ نے اچھے کھانے بھی کھائے، خصوصًا گوشت مرغوب تھا۔ مگر حضور کی عام غذا سادہ ہوتی تھی۔

حضرت سلمیٰؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت حسنؓ بن علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن جعفر ان کے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں وہ کھانا تیار کر کے دیجئے جو رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کو پسند تھا اور جسے آپؐ رغبت سے کھاتے تھے۔ حضرت سلمیٰؓ نے کہا پیارے بیٹو وہ اب تمہیں پسند نہیں آئے گا۔ انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں (پسند آئے گا) آپ وہ کھانا ہمارے لیے تیار کریں۔ چنانچہ وہ اٹھیں اور انہوں نے کچھ جولے کر انہیں پیسا، پھر انہیں ایک ہنڈیا میں ڈالا۔ اور اس پر ذرا سا زیتون کا تیل ڈالا اور کالی مرچ اور گرم مصالحہ پیسا (اور اس میں ڈال کر اسے پکایا) اور اس کھانے کو ان کے سامنے رکھا اور فرمایا کہ یہ ہے وہ کھانا جو رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کو پسند تھا اور جسے آپؐ رغبت سے کھاتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ (شمائل ترمذی)

ثرید ایک کھانا تھا جو روٹی کو شوربے میں چور کر کے تیار کیا جاتا تھا۔ اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ حضورؐ نے ثرید کو باقی کھانوں سے بہتر قرار دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کو پینے کی سب چیزوں میں سے میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔

(شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کچھ) پیتے ہوئے تین مرتبہ سانس لیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اس طرح پینے سے پی جانے والی چیز زیادہ اچھی طرح ہضم ہوتی ہے۔ اور زیادہ سیراب کرتی ہے۔

(شمائل ترمذی)

حضرت ابو جُحَیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر (کھانا) نہیں کھاتا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ابوایوبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (مدینۂ منوّرہ تشریف لائے تو) ان کے پاس اترے۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (مکان کے) نیچے کے حصّے میں رہے اور حضرت ابوایوبؓ اوپر والے حصّے میں۔ ایک رات حضرت ابوایوبؓ بیدار ہوئے تو کہنے لگے کہ ہم تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سَر کے اوپر چلتے ہیں۔ پھر وہ سمٹ کر ایک کونے میں ہو گئے اور رات ایک طرف ہو کر ہی گزاری۔ پھر (اس کے بعد) حضرت ابوایوبؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے (اوپر کے حصّے میں تشریف لے جانے کے بارے میں) کہا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیچے کے حصّے میں زیادہ سہولت ہے۔ حضرت ابوایوبؓ نے عرض کیا کہ میں تو اس چھت کے اوپر نہیں رہ سکتا جس کے نیچے آپؐ ہوں۔ یہ سُن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جگہ بدل کر اوپر والے حصّے میں تشریف لے گئے۔ اور حضرت ابوایوبؓ نیچے کے حصّے میں آ گئے۔ حضرت ابوایوبؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا تیار کیا کرتے تھے۔ پھر جب (بچا ہوا کھانا) اُن کے پاس (واپس) لایا جاتا تو پوچھتے کہ (کھانے میں) حضورؐ کی انگلیاں کس جگہ پڑی تھیں۔ پھر آپؐ کی انگلیاں پڑنے کی جگہ سے کھاتے (ایک دفعہ) انہوں نے حضورؐ کے لئے کھانا تیار کیا جس میں

لہسن تھا۔ پھر جب کھانا ان کے پاس واپس آیا تو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی انگلیاں پڑنے کی جگہ کا پوچھا تو آپ کو بتایا گیا کہ حضورؐ نے تو کھانا کھایا ہی نہیں۔ اس پر حضرت ابوایوبؓ ڈر گئے۔ اور اوپر حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور پوچھا کہ کیا لہسن حرام ہے۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ نہیں (حرام تو نہیں ہے) مگر (اس کی بُو کے باعث) میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔ اس پر حضرت ابُوایوبؓ نے عرض کیا کہ جس شے کو آپؐ ناپسند کرتے ہیں اس کو میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ حضرت ابوایوبؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس جبرئیلؑ آیا کرتے تھے (اس لیے حضورؐ بدبودار چیزوں سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو)

(مسلم)

لباس:

حضرت اُمّ سَلَمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کپڑوں میں سب سے زیادہ قمیص پسند تھی۔ (شمائل ترمذی)

حضرت اَسْماءؓ بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قمیص کی آستین پہنچے تک ہوتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کپڑوں میں سے جو کپڑا پہننا سب سے زیادہ پسند تھا وہ یمنی منقش چادر تھی۔

(شمائل ترمذی)

اس سے پہلے کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ کو سب سے زیادہ قمیص پسند تھی۔ یہاں یمنی منقش چادر کا ذکر ہے۔ بعض علماء نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں۔ حضورؐ کو جو کپڑے زیادہ

پسند تھے اُن میں قمیص بھی تھی اور منقش چادر بھی۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم فتح (مکّہ) کے دن مکۂ مکرّمہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سرِ مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔
(شمائل ترمذی)

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ (پچھلی جانب) اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا دیتے (حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے شاگردِ رشید) حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ (خود بھی) ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ (نافع کے شاگرد) عبیداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمدؒ اور سالم کو بھی ایسے ہی کرتے دیکھا۔
(شمائل ترمذی)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک صبح نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کالے بالوں کا کمبل اوڑھے نکلے جس پر پالان کے نقشے (بنے ہوئے) تھے۔ (مسلم)

حضرت سمُرہؓ بن جُندُب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سفید (کپڑے) پہنا کرو کیونکہ وہ زیادہ پاکیزہ اور پاک صاف ہوتے ہیں اور انہیں میں اپنے مُردوں کو کفنایا کرو۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑوں کو اختیار کرو۔ تمہارے زندہ (بھی) سفید کپڑے پہنیں اور اپنے مردوں کو بھی سفید کپڑوں ہی میں کفنایا کرو، کیونکہ سفید کپڑے تمہارے کپڑوں میں سے بہترین ہیں (شمائل ترمذی)

حضرت ابو بُریدہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ (حبشہ کے حکمران) نجاشی نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دو سیاہ رنگ کے سادہ موزے تحفۃً

بھیجے۔ حضورؐ نے (وضوء کی حالت میں) اہنیں پہنا، پھر آپؐ نے (دوبارہ) وضوء کیا تو ان پر مسح کر لیا۔ (شمائل ترمذی)

ابو رمثہ تیمیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے حضورؐ دکھائے گئے پس جب میں نے آپؐ کو دیکھا تو میں کہہ اٹھا کہ یہ اللہ کے (سچے) نبی ہیں۔ حضورؐ نے (اس وقت) دو سبز کپڑے پہن رکھے تھے۔ اور آپؐ کے کچھ بالوں پر بڑھاپے کے آثار غالب تھے، مگر آپؐ کے وہ سفید بال سُرخ تھے۔ (شمائل ترمذی)

بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ بال اس لیے سرخ تھے کہ اہنیں خضاب کیا گیا تھا۔ مگر بعض کا خیال ہے کہ بال جب سفید ہونے لگیں تو پہلے سرخ ہوتے ہیں اور پھر سفید ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان بالوں کی سُرخی وہی سُرخی تھی جو سفیدی سے پہلے آتی ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب

حضرت ابُو بُردہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اہنوں نے ہمارے لیے ایک موٹا تہہ بند جو یمن میں بنتا ہے اور ایک چادر جسے مُلَبَّدَۃ کہا جاتا ہے نکالے پھر اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اہنیں دو کپڑوں میں وفات پائی۔

(مسلم)

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب خارجی (حضرت علیؓ کے خلاف) اٹھ کھڑے ہوئے تو میں حضرت علیؓ کے پاس آیا، اہنوں نے (مجھے) کہا کہ آپ ان لوگوں کے پاس جائیے (اور ان سے بات کیجئے) پس میں نے ایک بہترین یمنی جوڑا پہنا اور ان کے پاس گیا۔ ابوزُمیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ ایک خوب صورت وجیہہ آدمی تھے۔ حضرت

ابن عباسؓ بتاتے ہیں کہ جب میں اُن کے پاس پہنچا تو خارجیوں نے میرے عمدہ لباس کو قابلِ اعتراض سمجھا اور وہ کہنے لگے کہ خوش آمدید اے ابن عباسؓ مگر یہ (قیمتی اور عمدہ) جوڑا (پہننے کی وجہ) کیا ہے۔ میں نے کہا کہ تم (اچھے کپڑے پہننے پر) مجھ پہ کیا عیب لگاتے ہو۔ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے سے اچھا جوڑا پہنے دیکھا ہے۔ (ابوداؤد)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مردوں کے لئے بھی عمدہ اور قیمتی لباس پہننا جائز ہے بشرطیکہ وہ شرعی حدود کے اندر ہو۔ حضورؐ عام طور پہ سادہ لباس پہنتے تھے۔ مگر آپؐ نے عمدہ لباس بھی پہنا ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کا سہارا لیے ہوئے باہر تشریف لائے اور آپؐ پر ایک قطری کپڑا تھا جو آپؐ نے اپنے اوپر لپیٹا ہوا تھا، پھر آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (شمائل ترمذی)

قطری کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ یہ ایک چادر ہوتی تھی جس پر سرخ دھاریاں ہوتی تھیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ قطر بحرین کے علاقے میں ایک بستی تھی اور قطری کپڑا اس کی طرف منسوب ہے۔

حضرت حُذیفہؓ بن الیمان بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی یا اپنی پنڈلی کے پٹھے کو پکڑا اور فرمایا کہ یہ حد ہے تہہ بند کی۔ (اس سے زیادہ نیچا نہیں ہونا چاہیئے) پھر اگر تجھے یہ منظور نہ ہو تو اس سے کچھ نیچا سہی، پھر اگر وہ بھی منظور نہ ہو تو (جان لے کہ) ٹخنوں پر تہہ بند کا کوئی حق نہیں (اسے ٹخنوں تک نہیں پہنچنا چاہیئے) (شمائل ترمذی)

لوگ ازراہِ تکبر اور اظہارِ فخر کے لیے ایسا لباس پہنتے تھے جس کا دامن اتنا

لمبا ہو کہ زمین پر گھسٹتا جائے۔ حضورؐ نے فخر و غرور کی اس علامت سے منع فرما دیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے۔ (مثلاً) عمامہ یا قمیص یا چادر، پھر یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اَسْأَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَ شَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ۔

اے اللہ تیری تعریف ہے کہ تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا۔ اے خدا میں تجھ سے بھلائی چاہتا ہوں اس (کپڑے) کی اور اس (مقصد) کی جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس (کپڑے) کی شر سے اور اس (مقصد) کی شر سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔

(شمائل ترمذی)

نعلین مبارک:

حضرت قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے پوچھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہر جوتے میں دو دو تسمے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضورؐ کا بستر:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر جس پر آپ سوتے تھے چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا تکیہ جس پر آپ ٹیک لگاتے تھے چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(مسلم)

خوشبُو :

جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی نفاستِ طبع کے باعث خوشبُو کو بہت پسند فرماتے تھے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ خوشبو استعمال کرتے، خوشبو کے تحفے کو قبول فرماتے اور خوشبُو کی دھونی لیتے۔

ثمامہ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ (بن مالک) خوشبو (کے تحفے) کو ردّ نہیں کیا کرتے تھے۔ اور حضرت انسؓ فرماتے تھے کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم خوشبو (کے تحفے) کو ردّ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

(شمائل ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جسے خوشبُودار پھول (کا تحفہ) دیا جائے، وہ اُسے ردّ نہ کرے۔ کیونکہ وہ اٹھانے میں ہلکا ہے (یا اس کا زیادہ احسان نہیں ہوتا) اور اس کی خوشبو عمدہ اور پاکیزہ ہے۔

(مسلم)

حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ جب خوشبو کی دھونی لیتے تو عود کی لیتے جس میں کچھ اور نہ ملا ہوتا یا کافور کی لیتے اسے عود کے ساتھ ڈالتے۔ پھر فرماتے کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم (بھی) اسی طرح خوشبو کی دھونی لیا کرتے تھے۔

(مسلم)

سُرمہ :

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سونے سے پہلے ہر آنکھ میں تین تین سلائی اِثمُد کے سُرمے کی لگایا کرتے تھے۔ اور (ایک دوسرے راوی) یزید بن ہارون اپنی روایت میں بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک سُرمہ دانی تھی آپؐ سونے سے پہلے اس میں سے ہر آنکھ میں تین تین سلائی سُرمے کی لگاتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

اِثمُد ایک سرمے کا پتھر تھا جسے پیس کر سرمہ بنایا جاتا تھا۔ حضورؐ نے اِثمد کے سُرمے کی تعریف فرمائی ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سوتے وقت اِثمُد کا سُرمہ ضرور لگایا کرو۔ وہ نگاہ کو روشن کرتا ہے اور پلکیں (بھی) اُگاتا ہے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص سرمہ لگائے وہ طاق بار لگائے۔ جس نے ایسا کیا (یعنی طاق بار سرمہ لگایا) اس نے بہت اچھا کیا اور اگر کوئی ایسے نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔

(ابن ماجہ)

طاق وہ عدد ہے جو دو پر تقسیم نہ ہو سکے مثلاً ایک، تین ، پانچ وغیرہ حضورؐ نے طاق بار سرمہ لگانا پسند فرمایا ہے۔ مگر اسے فرض قرار نہیں دیا۔ اگر کوئی طاق بار نہ بھی لگائے تو حرج نہیں۔

انگوٹھی :

انگوٹھی سے یہاں مُراد وہ انگوٹھی نہیں جسے آرائش کے لیے پہنا جاتا ہے۔ بلکہ یہ وہ انگوٹھی تھی جس پر کوئی خاص نقش ہوتا تھا۔ اور اس سے سرکاری خطوں وغیرہ پر مُہر لگائی جاتی تھی۔

حضرت انس رض بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (شاہِ) روم کو (خط) لکھنے کا ارادہ فرمایا تو صحابہ رض نے عرض کیا کہ وہ لوگ بے مُہر کا خط نہیں پڑھتے۔ چنانچہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (خطوں پر مہر لگانے کے لئے) چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی، (یہ بات مجھے اتنی اچھی طرح یاد ہے) گویا کہ میں (اب بھی) رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ مبارک میں اس انگوٹھی کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ اس انگوٹھی کا نقش مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تھا (صلّی اللہ علیہ وسلّم) (مسلم)

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سورۃ النساء آیت ۶۴ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

"یعنی خدا کی طرف سے رسول اس لیے نہیں آتا کہ بس اُس کی رسالت پر ایمان لے آؤ۔ اور پھر اطاعت جس کی چاہو کرتے رہو۔ بلکہ رسول کے آنے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ زندگی کا جو قانون وہ لے کر آیا ہے، تمام قوانین کو چھوڑ کر صرف اُسی کی پیروی کی جائے اور خدا کی طرف سے جو احکام وہ دیتا ہے، تمام احکام کو چھوڑ کر صرف انہیں پر عمل کیا جائے۔ اگر کسی نے یہی نہیں کیا تو پھر اس کا محض رسول کو رسول مان لینا کوئی معنی نہیں رکھتا —— اس آیت کا حکم صرف حضورؐ کی زندگی تک محدود نہیں، بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ جو کچھ

اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس طریقے پر اللہ کی ہدایت و رہنمائی کے تحت آپؐ نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے، اور اس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ حدیث میں اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس طریقے کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں"

(تفہیم القرآن)

ایسے ہی سورۃ النساء آیت ۸۰ میں فرمایا گیا ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج — جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، اس نے درحقیقت خدا کی اطاعت کی۔

اس لیے کہ رسولؐ کو اللہ تعالیٰ ہی نے بھیجا تھا اور لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔ وہ تعلیمات جنہیں مان کر اور ان پر عمل کر کے لوگوں نے ہدایت حاصل کی تھی اللہ ہی کی طرف سے آئی تھیں۔ لہٰذا ان کو مان کر ان پر عمل کرنے والے درحقیقت خدا ہی کی اطاعت کا حق ادا کر رہے تھے۔ آیات قرآنی کے علاوہ بہت سی احادیث بھی ہیں جن میں حضورؐ کی اطاعت کا تاکید سے حکم ملتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تمام امت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ کون انکار کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا:

کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا (لہٰذا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا) (بخاری)

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے کہ آپؐ کے پاس کچھ فرشتے آئے (اور آپس میں گفتگو کرنے لگے) تو ان میں سے بعض نے (دوسروں سے) کہا کہ یہ تو سوئے ہوئے ہیں تو ان میں سے بعض (دوسرے) بولے کہ بے شک (ان کی) آنکھ سوئی ہوئی ہے۔ مگر (ان کا) دل بیدار ہے اس پر (ان میں سے بعض نے) کہا کہ تمہارے ان صاحب کی ایک مثال ہے۔ پس ان کے لئے وہ مثال تو بیان کرو پھر (دوبارہ) ان میں سے کچھ بول اٹھے کہ یہ تو سوئے ہوئے ہیں اور (پہلے ہی کی طرح) ان میں سے کچھ (اوروں) نے کہا کہ بے شک (ان کی) آنکھ سوئی ہوئی ہے۔ مگر (ان کا) دل بیدار ہے۔ اس پر (ان میں سے کچھ فرشتے حضورؐ کی مثال بیان کرنے لگے اور) وہ کہنے لگے کہ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں ایک دستر خوان بچھایا اور ایک بلانے والے کو بھیجا (کہ وہ لوگوں کو بلا لائے تاکہ وہ آکر اس دستر خوان سے کھائیں) پس جس شخص نے اس بلانے والے کی بات مان لی وہ اس گھر میں داخل ہوا اور اس نے اس دستر خوان سے کھایا اور جس نے اُس بلانے والے کی بات نہ مانی وہ اس گھر میں داخل نہ ہوا اور اس نے اس دستر خوان سے نہ کھایا اس پر (اُن فرشتوں میں سے کچھ) بولے کہ انہیں بات کا مطلب بتاؤ تاکہ یہ اسے سمجھ لیں۔ اس پر ان میں سے بعض (فرشتے پھر) بول اٹھے کہ یہ تو سوئے ہوئے ہیں۔ اور (پہلے ہی کی طرح) ان میں سے بعض (اور) نے جواب دیا کہ بے شک (ان کی) آنکھ سوئی ہوئی ہے مگر (ان کا) دل بیدار ہے۔ اس پر اُن (مطلب سمجھانے والوں) نے کہا کہ وہ گھر (جس کا اس مثال میں ذکر کیا

گیا ہے) جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ (بخاری)

اس حدیث میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تعلیمات دے کر بنی نوع انسان کے پاس بھیجا ہے اس میں لوگوں کا فائدہ ہی فائدہ ہے جو شخص ان تعلیمات کو مان لے گا وہ فائدہ حاصل کرے گا۔ اور جو نہیں مانے گا وہ فائدے سے محروم رہے گا۔ اور آخر میں یہ جو کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے باعث مسلم اور کافر، مطیع اور نافرمان اور مومن اور منافق میں فرق ہو جاتا ہے یعنی جو لوگ حضورؐ کی لائی ہوئی تعلیمات کو سچے دل سے مان کر ان پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ مطیع، مسلمان اور مومن ہو جاتے ہیں اور نفع حاصل کرتے ہیں اور جو انہیں سچے دل سے نہیں مانتے اور ان پر عمل نہیں کرتے وہ نافرمان، کافر یا منافق بن جاتے ہیں۔ اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ لہٰذا حضورؐ کے لیے "فرق" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی وہ ہستی جو انسانوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ کر ان کے باہمی فرق کو نمایاں کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور جو (حق) خدا نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس شخص کی مثال کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اے میری قوم میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں تمہا

لیے) ایک عُریاں ڈرانے والا ہوں، پس (تم اس لشکر کے حملوں سے) چھٹکارا (پانے کی کوشش کرو) پھر اس کی قوم کے ایک گروہ نے تو اس کا کہنا مانا اور رات کے پہلے حصّے ہی میں چل دیئے اور آرام آرام سے نکل گئے پس انہوں نے نجات پالی مگر ان میں سے ایک اور گروہ نے (ڈرانے والے) کو جھٹلایا اور اپنی جگہ پر ہی رہے۔ پس صبح کے وقت لشکر حملہ آور ہو گیا اور انہیں ہلاک کر دیا۔ اور انہیں بالکل برباد کر کے رکھ دیا۔ پس وہ (پہلی مثال) ہے اس شخص کی جس نے میری اطاعت کی اور جو (حق) میں لے کر آیا ہوں اس کی پیروی کی اور (یہ دوسری) مثال ہے اس شخص کی جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اسے جھٹلایا۔ (بخاری)

اس حدیث میں بھی وہی بات بیان ہوئی ہے جو اس سے پہلے والی حدیث میں تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں جو شخص اسے اختیار کرے گا اور اس کے احکام پر عمل کرے گا وہ دنیا کی بہت سی مصائب سے بھی اور آخرت کے عذاب سے بھی نجات پالے گا۔ اور جو نہیں مانے گا وہ دونوں جہانوں میں عذاب کا شکار ہو گا۔ اس حدیث میں ڈرانے والے سے مراد حضورؐ کی اپنی ذات مبارک ہے اور لشکر سے مراد مصائب اور عذاب کی وہ مختلف شکلیں ہیں جو انسانوں کو غلط عقائد بد عملی اور بدکرداری کے باعث بھگتنی پڑتی ہیں۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ میں تمہارے لیے "عریاں ڈرانے والا" ہوں اس کا مفہوم یہ بتایا جاتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں رواج تھا کہ جب کوئی بہت بڑی آفت آنے کا خطرہ ہوتا تھا تو کوئی شخص لباس اتار کر اور عریاں ہو کر کسی بلند جگہ پر چڑھ کر لوگوں کو خبردار کرتا تھا۔ عریاں ہو کر سامنے آنے سے مراد یہ ہوتی تھی کہ لوگ اس کی

بات کی طرف خصوصی توجہ دیں۔ حضورؐ نے یہ لفظ بطور محاورہ استعمال فرمایا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس کام سے میں تمہیں منع کروں اس سے باز رہو اور جس کام کا میں تمہیں حکم دوں اسے کرو جہاں تک تم میں (اسے کرنے کی) استطاعت ہو۔ کیونکہ تم سے پہلے والے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ کثرت سے سوال کرتے تھے۔ اور اپنے انبیاء (کے احکام) کی مخالفت کرتے تھے۔ (مسلم)

حضرت کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی حدرد پر ان کا کچھ قرض تھا۔ انہوں نے مسجد میں ان سے اس (قرض) کا تقاضا کیا اور ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے گھر میں تھے ان کی آوازیں سن لیں۔ پس آپؐ ان دونوں کی طرف باہر آئے اور اپنے حجرے کا پردہ اٹھا کر پکارا کہ اے کعبؓ۔ حضرت کعبؓ نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں یا رسولؐ اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے قرض کا اتنا حصہ معاف کر دے اور انہیں اشارہ کر کے بتایا کہ آدھا (معاف کر دے) حضرت کعبؓ نے (فوراً) عرض کیا کہ میں نے معاف کر دیا یا رسولؐ اللہ۔ (پھر) حضورؐ نے (ابن ابی حدرد کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ اٹھ اور (بقیہ) قرض ادا کر دے۔ (بخاری)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز ایسے نہ کرے کہ اپنے (مسلمان) بھائی کو اٹھا کر خود اس کی جگہ پر بیٹھ جائے (یہ حکم سننے کے بعد حضرت ابن عمرؓ کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص ان کی خاطر (خود ہی) اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوتا (اور انہیں جگہ

پیش کرنا) تو بھی وہ اس جگہ پر نہ بیٹھتے۔ (مسلم)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں جانے کی اجازت دے دیا کرو۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ کے ایک بیٹے نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تو انہیں ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔ وہ اسے دھوکا دینے کا ذریعہ بنا لیں گی (یعنی مسجد کے بہانے کسی اور جگہ چلی جایا کریں گی) خدا کی قسم ہم تو انہیں ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ (بیٹے کی یہ بات سن کر) حضرت ابن عمرؓ نے اسے برا بھلا کہا اور غضبناک ہو کر بولے کہ میں کہہ رہا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں اجازت دے دیا کرو اور تو کہہ رہا ہے کہ ہم انہیں ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔ (ابو داؤد)

ابن السوار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرانؓ بن حصینؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے سنا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ حیا خیر ہی لاتی ہے اس پر بشیر بن کعب نے کہا کہ حکمت (کی کتابوں) میں لکھا ہے کہ حیا سے وقار اور سکینت حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عمرانؓ (کو یہ بات بری لگی کہ حضورؐ کی حدیث سن لینے کے بعد کتابوں سے سند پیش کی جائے لہٰذا وہ ناراضی سے) بولے کہ میں تمہارے سامنے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کر رہا ہوں اور تم مجھ سے اپنی کتابوں کی باتیں کر رہے ہو۔ (مسلم)

حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

انسان فطرتاً نیکی کو پسند کرتا اور نیکوں سے محبت رکھتا ہے اور انسانوں میں سب سے زیادہ نیکوکار گروہ انبیائے کرام کا تھا جنہوں نے خدا کی مخلوق کو خدا کا پیغام پہنچایا اور انہیں زندگی گزارنے کا وہ ڈھنگ بتایا جس سے انسان کی دنیوی اور اخروی دونوں زندگیاں کامیاب ہوتی ہیں پھر یہ بھی ہے کہ نبی کو اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے کیونکہ جب تک لوگ نبی کی اطاعت نہ کریں گے وہ اُن تعلیمات پر عمل نہیں کر سکتے جو وہ نبی لے کر آیا ہوتا ہے اور انسان صحیح اور پوری اطاعت اسی کی کرتا ہے جس کو وہ سچا سمجھتا ہے اور جس سے وہ محبّت رکھتا ہے جتنی محبت زیادہ ہو گی اتنی ہی اطاعت زیادہ آسان ہو گی۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو حضورؐ سے والہانہ محبّت تھی، لہٰذا وہ اطاعت اور اتباع کے بہت اونچے درجے تک جا پہنچے تھے۔ حضورؐ نے خود بھی صحابہؓ کو اس حقیقت سے مطلع فرمایا تھا کہ اُن کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ حضورؐ کو تمام انسانوں سے بڑھ کر نہ چاہیں۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک بدّو نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا کہ قیامت کب ہوگی۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے پوچھا کہ تو نے قیامت کیلئے کیا تیاری کی ہے اس نے عرض کیا کہ (میری تیاری یہ ہے کہ میرے دل میں) خدا اور اس کے رسولؐ کی محبّت (ہے) حضورؐ نے فرمایا کہ تو (قیامت کے دن) انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تجھے محبّت ہے۔ (مسلم)

حضرت ابوبکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ میں (مدینے کی طرف ہجرت کرتے ہوئے) چلا کہ اچانک بکریوں کے ایک چرواہے پر نظر پڑی جو اپنی بکریوں کو ہانک رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو کس کا (چرواہا) ہے اس نے کہا کہ قریش کے ایک آدمی کا اور اس شخص کا نام بتایا۔ میں نے اسے پہچان لیا پھر میں نے کہا کہ کیا تیری بکریوں میں کچھ دودھ ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ کیا تو میرے لیے دودھ دوھ دے گا۔ اس نے کہا ہاں۔ پس میں نے اسے (دودھ دوہنے کا) حکم دیا تو اس نے اپنی بکریوں میں سے ایک بکری کو بٹھایا۔ پھر میں نے اُسے حکم دیا کہ اس کے تھن سے غبار وغیرہ جھاڑ دے۔ پھر میں نے اُسے (یہ) حکم (بھی) دیا کہ اپنی دونوں ہتھیلیوں سے (بھی گرد و غبار) جھاڑ لے۔ پس اس نے ایسے ہی (کیا کہ) اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا (تاکہ گرد و غبار دور ہو جائے) پھر اس نے ایک پیالہ دودھ دوہا۔ میں

نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چھاگل رکھی ہوئی تھی جس کے منہ پر کپڑا (بندھا) تھا۔ پس (اس سے) میں نے دودھ پر پانی ڈالا، یہاں تک کہ اس کا نیچے کا حصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اسے نوش فرمائیے۔ پس حضور نے اسے نوش فرمایا یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا۔ (بخاری)

ابوالنضر بیان کرتے ہیں کہ انہیں خبر پہنچی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں شہید ہونے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن (کے مومن اور مجاہد فی سبیل اللہ ہونے) کی میں گواہی دیتا ہوں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، کیا ہم (بھی) اُن کے بھائی نہیں ہیں۔ جیسے انہوں نے اسلام قبول کیا ہم نے بھی کیا اور جیسے انہوں نے جہاد کیا ہم نے بھی کیا (تو پھر ہم آپ کی گواہی کے مستحق کیوں نہیں ہیں) اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں کیوں نہیں (تم لوگوں نے بھی انہیں کی طرح اسلام قبول کیا اور جہاد کیا) لیکن (وہ شہید ہو چکے ہیں اور تم ابھی زندہ ہو۔ لہذا) میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کرو گے۔ اس پر حضرت ابوبکر (محبت رسول اور شدت غم کے باعث ایک دفعہ) روئے۔ پھر (دوسری دفعہ) روئے اور پھر کہنے لگے (یا رسول اللہ) کیا ہم آپ کے بعد زندہ رہیں گے!!!
(مؤطا)

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ جنگ اُحد کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون مجھے سعد بن ربیع انصاری کی خبر لا کر دے گا۔ تو ایک شخص نے کہا کہ میں لاتا ہوں یا رسول اللہ۔ پھر وہ شخص چلا گیا اور لاشوں کے درمیان پھرنے لگا (وہیں حضرت سعد بن ربیع بھی زخمی ہو کر پڑے تھے)

حضرت سعدؓ بن ربیع نے اس سے کہا کہ تجھے کیا کام ہے اس شخص نے عرض کیا کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خبر لانے کے لیے بھیجا ہے حضرت سعدؓ نے کہا کہ تم حضورؐ کے پاس جاؤ اور آپؐ کی خدمت میں میرا سلام عرض کرو۔ اور آپؐ کو بتاؤ کہ مجھے برچھے کے بارہ زخم لگے ہیں اور برچھے میرے جسم کے ان اعضاء کے آرپار ہو گئے ہیں جہاں ضرب لگنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور اپنی قوم سے کہہ دینا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہوا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔ (مؤطا)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک جماعت کے پاس سے گزرے جن کے سامنے ایک بھُنی ہوئی بکری رکھی تھی۔ ان لوگوں نے انہیں (کھانے کی) دعوت دی مگر انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ حضورؐ دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپؐ نے جَو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی۔

(بخاری)

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی۔ حضورؐ نے مجھے اجازت دے دی اور فرمایا کہ اے میرے چھوٹے بھائی، ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا (حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ) حضورؐ نے ایک ایسا کلمہ کہا کہ اس کی جگہ مجھے ساری دنیا بھی مل جاتی تو مجھے خوشی نہ ہوتی (اس حدیث کے راویوں میں حضرت شعبہؒ اور حضرت عاصمؒ بھی ہیں) شعبہؒ کہتے ہیں کہ بعد میں میں مدینہ منورہ میں عاصمؒ سے ملا تو انہوں نے مجھے یہ حدیث سنائی اور (پھر) فرمایا کہ اے میرے چھوٹے بھائی اپنی دعاؤں میں ہمیں بھی شریک رکھنا۔ (ابوداؤد)

(اسلام میں مردوں کے لیے سونا پہننا منع ہے) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپؐ نے اُسے اس کے ہاتھ سے اتار کر پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی جہنم کے انگارے کا ارادہ کرتا ہے کہ اُسے اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ پھر جب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے گئے تو اس شخص سے کہا گیا کہ تو اپنی انگوٹھی اٹھالے اور (اسے بیچ کر یا کسی اور طریقے سے) اس سے فائدہ حاصل کرے۔

(کیونکہ حضورؐ نے تو صرف اس کے پہننے سے منع فرمایا ہے) مگر اس نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم میں اسے کبھی بھی نہیں لوں گا جب کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے پھینک دیا ہے (اور اس نے اسے نہ اٹھایا) (مسلم)

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر ہمارے پاس بحرین (کے علاقے) کا مال آیا تو میں تمہیں اتنا اور اتنا اور اتنا دوں گا اور حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو (...کی شکل میں) ملاکر ان سے اشارہ فرمایا۔ پھر بحرین کا مال آنے سے پہلے ہی حضورؐ انتقال فرما گئے اور مال آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا تو انہوں نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا تو اس نے منادی کی کہ جس شخص سے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی وعدہ کیا ہو یا جس کا آپؐ پر قرضہ ہو وہ آئے۔ اس پر میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ اگر ہمارے پاس بحرین کا مال آیا تو میں تمہیں اتنا اور اتنا اور اتنا دوں گا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے (بحرین کے مال سے) ایک چلّو بھرا پھر (مجھے دے کر) فرمایا کہ اسے گنو۔ میں نے گنا تو وہ پانچ سو (درہم یا دینار وغیرہ) تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے

فرمایا کہ اس سے دُگنے (اور) لے لو۔ (مسلم)

حضرت عمروؓ بن تغلب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال یا قیدی آئے۔ آپؐ نے اس مال کو تقسیم فرمایا تو کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ لوگوں کو نہ دیا۔ پھر آپؐ کو یہ خبر پہنچی کہ جن لوگوں کو آپؐ نے نہیں دیا تھا وہ ناراض ہیں۔ تو آپؐ نے (پہلے) اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا: اما بعد پس خدا کی قسم میں کسی کو دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور جس کو میں نہیں دیتا وہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے جسے میں دیتا ہوں۔ لیکن میں بعض لوگوں کو اس لیے دیتا ہوں کہ میں ان کے دلوں میں بے صبری اور اضطراب دیکھتا ہوں اور (جن کو میں نہیں دیتا) ان لوگوں کو میں اُس غنا اور بھلائی کے حوالے کر دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دلوں میں رکھی ہوئی ہے اور انہیں لوگوں میں عمروؓ بن تغلب بھی ہے (حضرت عمروؓ بن تغلب فرماتے ہیں کہ) خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (نے اس طرح میرے بارے میں جو اپنی پسندیدگی ظاہر فرمائی اس سے میں اتنا خوش ہوا کہ حضورؐ) کے اس ارشاد کے عوض مجھے سرخ اونٹ بھی منظور نہیں۔ سرخ اونٹ عربوں کے ہاں بہترین مال سمجھے جاتے تھے۔

(بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت باہر آئے جس وقت آپؐ باہر نہیں آیا کرتے تھے اور نہ اس وقت کوئی آپؐ سے ملاقات کیا کرتا تھا۔ (آپؐ باہر تشریف لائے) تو حضرت ابوبکرؓ آ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ تم کیسے آئے انہوں نے عرض کیا کہ میں اس لیے نکلا تھا کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کروں اور آپؐ کو دیکھوں اور سلام کروں۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی

کہ حضرت عمرؓ بھی آ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اے عمرؓ تم کیسے آئے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ مجھے (تو) بھوک (یہاں) لے آئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔ پھر وہ (تینوں) ابوالھیثمؓ بن التیہان انصاری کے گھر کی طرف چل پڑے۔ ان کے کھجوروں کے بہت سے درخت تھے اور بکریاں بھی بہت تھیں مگر ان کے پاس خادم نہیں تھے۔ ان (تینوں) نے انہیں (گھر) نہ پایا تو ان کی اہلیہ سے پوچھا کہ تمہارے شوہر کہاں ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لانے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ ابوالھیثمؓ ایک مشک لے کر آ گئے (جو اتنی بھری ہوئی تھی کہ) وہ اسے بمشکل اٹھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے مشک کو رکھا اور آ کر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے لپٹ گئے۔ اور کہتے جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ پھر وہ ان سب کو اپنے باغ میں لے گئے اور ان کے لئے فرش بچھایا۔ پھر کھجور کے ایک درخت کی طرف گئے اور ایک خوشہ لا کر (ان سب کے سامنے) رکھ دیا۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم ہمارے لئے پکی ہوئی کھجوریں چن کر کیوں نہ لے آئے (خوشہ کیوں توڑا) ابوالھیثمؓ نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ میں چاہتا تھا کہ آپ لوگ پکی ہوئی اور ادھ پکی کھجوروں میں سے خود اپنی مرضی سے چُن لیں (اور تناول فرمائیں) پھر ان (سب) نے (کھجوریں) کھائیں اور اس پانی سے پیا (جو حضرت ابوالھیثمؓ لائے تھے) پھر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ (چیزیں) اُن نعمتوں میں سے ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن تم سے سؤال ہوگا (دیکھو یہ) ٹھنڈا سایہ ہے، پکی ہوئی کھجوریں ہیں اور ٹھنڈا پانی ہے۔ پھر حضرت ابوالھیثمؓ ان سب کے لیے

کھانا تیار کرنے چلے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (دیکھو) دودھ والی بکری ہرگز ذبح نہ کرنا۔ پس انہوں نے ان کے لیے ایک سال سے کم عمر والی بکری یا بکرا ذبح کیا اور اسے (پکا کر) ان کے پاس لائے۔ پھر ان سب نے کھایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی خادم ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب ہمارے پاس قیدی آئیں گے تو تم ہمارے پاس آنا۔ اس واقعے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو غلام آئے جن کے علاوہ کوئی تیسرا نہ تھا تو حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ حضور کی خدمت میں آئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے (کوئی ایک) چن لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، آپ ہی میرے لئے چن دیجئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے (اس کے لیے ضروری ہے کہ مشورہ لینے والے کا راز چھپائے رکھے اور نیک مشورہ دے لہٰذا) تم یہ (غلام) لے لو۔ کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے (اور) اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کرو۔ پھر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس گئے اور انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خبر دی تو ان کی بیوی نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے آپ اس پر پوری طرح عمل نہیں کر سکتے جب تک آپ اس کو آزاد نہ کر دیں۔ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (اچھا) یہ آزاد ہے۔ پھر (اس کے بعد) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین کو تلقین کرتے ہوئے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی یا (نبی کا) خلیفہ ایسا نہیں بھیجا جس کے دو اندرونی ہمراز رفیق نہ ہوں۔ ایک اندرونی رفیق (وہ ہے)

جو اسے نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے اور برائی کرنے سے منع کرتا ہے اور (دوسرا) اندرونی رفیق (وہ ہے) جو (اسے نیکی کرنے سے روکتا ہے اور برائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور (اس طرح) اسے برباد کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ پس جو کوئی (اس) برے اندرونی رفیق سے بچا لیا گیا وہ (تمام اقسام کی شر سے) محفوظ ہو گیا۔ (ترمذی)

اس حدیث میں جو دو اندرونی رفیقوں کا ذکر ہوا ہے اس کے بارے میں علماء کی ایک سے زیادہ رائیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ دو اندرونی رفیق فرشتہ اور شیطان ہیں۔ فرشتہ اچھائی کی طرف بلاتا ہے اور شیطان برائی کی طرف۔ ایک اور رائے یہ بھی ہے کہ یہ دو اندرونی رفیق انسان کے دو طرح کے نفس ہیں ایک وہ جو اسے اچھائی کی طرف ابھارتا ہے اور دوسرا وہ جو اسے برائی کی ترغیب دیتا ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ! میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپؐ مجھے زادِ راہ عنایت فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا تمہیں تقوے کا زادِ راہ عنایت فرمائے۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے مزید عنایت کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تیرے گناہ معاف فرمائے۔ اس نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں مجھے (اور) زیادہ مرحمت فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جہاں کہیں بھی تم ہو خدا تمہارے لیے بھلائی کو آسان کرے۔

(ترمذی)

اس خوش قسمت انسان کو حضورؐ نے جو زادِ راہ عنایت فرمایا وہ دعائیں تھیں جو سب سے زیادہ قیمتی زادِ راہ تھا۔ وہ صاحب بھی اس گراں مایہ زادِ راہ

کی قدر و قیمت کو سمجھتے تھے۔ لہٰذا بار بار درخواست کرتے تھے کہ اور زیادہ مرحمت فرمایئے۔

حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں کہ میں جاہلیت میں لوہار تھا اور عاص بن وائل (کافر) پر میرا کچھ قرض تھا۔ میں قرض کا تقاضا کرنے کے لئے اس کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ میں تجھے (تیرا قرض) نہیں دوں گا جب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرے۔ میں نے جواب دیا کہ میں (حضورؐ کا) انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ خدا تجھے مارے اور پھر زندہ کرے۔ اس نے کہا (اچھا) مجھے چھوڑ دو یہاں تک کہ میں مر جاؤں اور (پھر) اٹھایا جاؤں اور مجھے مال اور اولاد دی جائے تو پھر میں تیرا قرض ادا کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"پھر تو نے دیکھا اس شخص کو جو ہماری آیات کو ماننے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو ضرور مال اور اولاد سے نوازا جاؤں گا۔ کیا اُسے غیب کا پتہ چل گیا ہے؟ یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟" (سورہ مریم آیات ۷۷، ۷۸)

(بخاری)

حضرت عبداللہؓ بن مغفّل بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپؐ سے محبت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو کچھ کہہ رہے ہو سوچ سمجھ کر کہو۔ اس نے تین دفعہ کہا کہ خدا کی قسم مجھے آپؐ سے محبت ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے محبوب رکھتے ہو تو پھر فقر و فاقہ کے لئے بچاؤ کا سامان تیار کر لو۔ کیونکہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے فقر و فاقہ اس کی طرف اس سے زیادہ تیزی سے پہنچتا ہے جتنی تیزی سے سیلاب اپنے منتہیٰ تک پہنچتا ہے۔ (ترمذی)

اس حدیث میں حضورؐ نے یہ جو فرمایا ہے کہ فقر و فاقہ کے لیے بچاؤ کا سامان تیار کرے تو بچاؤ کے سامان سے مراد صبر و تحمل ہے۔ حضورؐ کے اس فرمان کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ جس کے دل میں حبِّ رسولؐ ہو گی اس کی طرف فقر و فاقہ تیزی سے آئے گا اور فقر و فاقہ میں اگر انسان صبر و تحمل اور قناعت سے کام نہ لے اور قضا پر راضی نہ رہے تو اس بات کا خدشہ ہوتا ہے کہ وہ شخص ایسی باتیں کرنے لگے گا یا ایسے اعمال کا ارتکاب کرے گا جو اس کے دین کو نقصان پہنچائیں گے۔ لہٰذا جس کے دل میں حبِّ رسولؐ ہو اُسے چاہیئے کہ اپنے اندر صبر و تحمل، قناعت اور رضا بالقضاء کی صفات پیدا کرنے کی سعی کرتا رہے تاکہ اس کا دین نقصان سے بچا رہے۔

حضرت ابوبُردہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینۂ منورّہ آیا تو مجھے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام ملے اور مجھ سے فرمایا کہ (میرے) گھر چلو تو میں تمہیں اس پیالے میں پلاؤں گا جس میں رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پیا تھا اور ہم اُس جگہ نماز پڑھیں گے جس جگہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نماز پڑھی تھی۔ پس میں اُن کے ساتھ چل پڑا تو انہوں نے مجھے ستو پلائے اور کھجوریں کھلائیں اور میں نے حضورؐ کی نماز پڑھنے کی جگہ پہ نماز پڑھی۔ (بخاری)

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو اُسید انصاری رضی اللہ عنہ کو شہادت دیتے ہوئے سُنا کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ انصار کے گھرانوں میں سے بہترین گھرانہ بنو نجّار کا ہے۔ اس کے بعد بنو عبدالاشہل کا، اس کے بعد بنو الحارث بن الخزرج کا، اس کے بعد بنو ساعدہ کا۔ اور ویسے تو انصار کے تمام گھرانوں میں خیر اور بھلائی ہے۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ابو اُسید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے گھرانوں کی ترتیب اسی طرح بتائی ہے جیسے حضورؐ نے بتائی تھی،

کسی گھرانے کو آگے پیچھے نہیں کیا) کیا میں حضورؐ کی طرف غلط بات منسوب کر سکتا ہوں؟ اور اگر میں جھوٹا ہوتا تو میں اپنے قبیلے بنو ساعدہ کو پہلے درجے پر رکھتا (پھر جب) بات حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ کو پہنچی تو (چونکہ ان کا تعلق بھی قبیلہ بنو ساعدہ سے تھا اس لئے اس قبیلے کے نمبر چار آنے پر) انہیں افسوس ہوا۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمیں پیچھے کر دیا گیا ہے اور ہم چاروں گھرانوں کے آخر میں ہیں (اور حکم دیا کہ) میرے گدھے پر زین کسو۔ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں گا (اس پر) ان کے بھتیجے سہل نے ان سے گفتگو کی اور کہا کہ کیا آپ حضورؐ کی بات کو رد کرنے جا رہے ہیں۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں (کہ کس گھرانے کا کیا رتبہ ہے) کیا آپ کے لیے اتنا کافی نہیں کہ آپ (سب سے اوپر والے) چار گھرانوں میں سے چوتھے ہیں۔ اس پر حضرت سعدؓ بن عبادہ لوٹ آئے اور فرمایا کہ (واقعی) اللہ اور اس کا رسولؐ (ہی) بہتر جانتے ہیں اور (حضورؐ کی خدمت میں جا کر یہ بات کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے) اپنے گدھے کے بارے میں حکم دیا (کہ اس کی زین کھول دی جائے) لہٰذا اس کی زین کھول دی گئی۔ (مسلم)

برکت حاصل کرنا:

حضرت ابو جحیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے، پھر آپؐ نے بطحاء میں ظہر اور عصر کی دو (دو) رکعتیں ادا کیں۔ آپ کے سامنے ایک نیزہ گاڑ دیا گیا اور آپؐ نے وضو کیا تو لوگ آپؐ کے وضو کے پانی کو (تبرکاً اپنے چہروں پر) ملنے لگے۔ (بخاری)

حضرت انس رضؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا کر لیتے تو مدینہ منورہ کے خادم اپنے برتن لے کر آ جاتے جن میں پانی ہوتا (تاکہ حضورؐ اس میں ہاتھ ڈال کر اُسے بابرکت کر دیں) جو بھی (ایسا) برتن حضورؐ کے پاس لایا جاتا آپؐ (ضرور) اس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے۔ بسا اوقات ایسے ہوتا کہ کسی (سخت) سردی والی صبح کو یہ اتفاق پیش آتا، تو بھی آپؐ اس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے (تاکہ پانی لانے والے مایوس نہ ہوں) (مسلم)

حضرت سہل رضؓ بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) ایک بُردہ لے کر آئی (اتنی بات کر کے پھر حضرت سہل رضؓ نے حاضرین کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ بُردہ کیا ہوتی ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ جی ہاں، وہ بدن پر لپیٹی جانے والی چادر ہوتی ہے۔ جس کے دونوں کناروں پر حاشیہ لگا ہوتا ہے (اس کے بعد حضرت سہل رضؓ نے پھر اس عورت کی بات شروع کر دی جو بُردہ لے آئی تھی اور فرمایا کہ) اس عورت نے (حضورؐ کی خدمت میں) عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں نے اس (چادر) کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ میں اسے آپؐ کو پہناؤں۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر اس سے لے لی اور آپؐ کو اس وقت) چادر کی ضرورت (بھی) تھی۔ پھر (اس کے بعد) حضورؐ ہمارے پاس تشریف لائے تو وہ چادر آپؐ کا تہہ بند تھی۔ اس پر لوگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، یہ (چادر) مجھے عطا کر دیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اچھا۔ آپؐ (تھوڑی دیر) مجلس میں بیٹھے اور پھر واپس لوٹ گئے۔ اور وہ (چادر) تہہ کر کے اس شخص کو بھیج دی۔ لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ تُو نے یہ اچھا کام نہیں کیا کہ حضورؐ سے یہ (چادر) مانگی جب کہ تو جانتا تھا کہ آپؐ کسی سائل کو رد نہیں کیا کرتے۔ اس نے کہا

کہ خدا کی قسم، میں نے تو حضورؐ سے صرف اس لیے (چادر کا) سوال کیا ہے کہ جس دن میں مروں تو یہ (چادر) میرا کفن بنے۔ حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر وہ (چادر واقعی) اس کا کفن بنی۔ (بخاری)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپؐ کا سر بنا رہا تھا اور آپؐ کے اصحابؓ آپؐ کے گرد جمع تھے۔ وہ چاہتے تھے کوئی بال (نیچے) نہ گرے۔ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرے۔ (مسلم)

ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے عُبَیدہؓ سے کہا کہ ہمارے پاس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال ہیں۔ ہم نے انہیں انسؓ کے پاس سے (یا یوں کہا کہ) انسؓ کے گھر والوں کے پاس سے پایا ہے۔ اس پر عُبَیدہؓ نے کہا کہ اگر ان بالوں میں سے ایک بال بھی میرے پاس ہو تو وہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہو۔ (بخاری)

احترامِ رسولؐ:

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (قبیلہ) بنی عمرو بن عوف کے ہاں تشریف لے گئے تاکہ ان کے درمیان صلح کرا دیں (کیونکہ ان کے درمیان کوئی رنجش ہو گئی تھی۔ حضورؐ ابھی وہاں سے واپس تشریف نہیں لائے تھے) کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ مؤذن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ کیا آپؓ لوگوں کو نماز پڑھا دیں گے تو میں اقامت کہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں (پڑھا دوں گا) پس حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھانی شروع کی اور لوگ ابھی نماز ہی میں تھے کہ رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلّم تشریف لے آئے اور لوگوں کو چیر کر صف میں جا کھڑے ہوئے اس پر لوگ ہاتھ پر ہاتھ مارنے لگے (تاکہ حضرت ابوبکرؓ کو معلوم ہو جائے کہ حضورؐ تشریف لے آئے ہیں مگر حضرت ابوبکرؓ نے کچھ توجہ نہ کی کیونکہ) وہ نماز میں کسی طرف توجہ نہیں کیا کرتے تھے۔ جب لوگوں نے کثرت سے ہاتھ پر ہاتھ مارے تو انہوں نے توجہ کی تو دیکھا کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم موجود ہیں۔ حضورؐ نے (حضرت ابوبکرؓ کو) اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے۔ اور خدا کی تعریف کی اس (فضیلت) پر جس کا کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم فرمایا تھا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے ہٹے یہاں تک کہ صف میں مل گئے اور رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم آگے بڑھے (اور نماز پڑھائی) جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اے ابوبکرؓ تم اپنی جگہ پر کیوں نہ ٹھہرے رہے۔ جب کہ میں نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ ابو قحافہ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں کہ وہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کھڑے ہوکر نماز پڑھے۔ پھر رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (نمازیوں کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ تم نے اس کثرت سے ہاتھ پر ہاتھ کیوں مارے اگر کسی (مرد) کو اپنی نماز کے دوران کوئی بات پیش آجائے تو وہ سبحان اللہ کہے۔ جب وہ سبحان اللہ کہے گا تو اس کی طرف توجہ دی جائے گی۔ ہاتھ پر ہاتھ مارنا تو صرف عورتوں کے لیے ہے۔ (مسلم)

ابو قحافہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد کا نام تھا۔ اس حدیث میں ایک خاص مسئلہ بیان ہوا ہے وہ یہ کہ نماز کے دوران اگر کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے امام کو متوجہ کرنا ہو تو مرد کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ سبحان اللہ کہہ دے۔

اور عورت کو چاہیئے کہ وہ منہ سے نہ بولے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر آواز پیدا کرے یہاں چونکہ مردوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارے اس لئے حضورؐ نے تنبیہہ فرمائی کہ یہ طریقہ تمہارے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ حدیث میں یہ جو بیان ہوا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا کی تعریف کی اس (فضیلت) پر جس کا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کا یہ اشارہ فرمانا کہ تم اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو یعنی امامت کراؤ حالانکہ حضورؐ تو وہاں موجود تھے، حضرت ابوبکرؓ کے لئے بڑی فضیلت کی بات تھی۔ اور اسی فضیلت پر جو حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو عطا فرمائی انہوں نے ہاتھ اٹھا کر خدا کی تعریف کی۔

سورۃ الحجرات کی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو" ــــ یہ فرمان سن کر حضورؐ کے ایک صحابی سخت غم و اندوہ میں مبتلا ہو گئے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حضورؐ سے باتیں کرتے وقت ان کی آواز حضورؐ کی آواز سے زیادہ بلند ہوا کرتی تھی۔ یہی بات ہے جو ذیل کی حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابتؓ بن قیس کو نہ پایا اور ان کے بارے میں پوچھا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپؐ کو ان کی خبر لا کر دیتا ہوں۔ پھر وہ حضرت ثابتؓ بن قیس کے پاس آیا اور انہیں

(اس حالت میں) پایا کہ اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔ اُس نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے۔ بولے کہ بُرا حال ہے اور (اپنے بارے میں فرمایا کہ یہ نالائق) اپنی آواز کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند کیا کرتا تھا۔ لہٰذا اسکے عمل برباد ہوگئے ہیں اور یہ دوزخیوں میں سے ہوگیا ہے (یہ بات سن کر) وہ شخص (حضورؐ کی خدمت میں) آیا اور آپؐ کو بتایا کہ حضرت ثابتؓ بن قیس نے ایسے اور ایسے کہا ہے (حضرت انسؓ کے بیٹے) موسیٰ بن انسؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص ایک بار پھر (حضرت ثابتؓ بن قیس کی طرف) لوٹ کر آیا (اور) ایک بہت بڑی خوش خبری لے کر (آیا۔ کیونکہ) حضورؐ نے اُسے فرمایا تھا کہ تو ثابتؓ بن قیس کی طرف جا اور اسے کہہ دے کہ تو دوزخیوں میں سے نہیں ہے۔ بلکہ جنتیوں میں سے ہے۔ (بخاری)

صحابہ کرامؓ کے علاوہ صحابیاتؓ کو بھی حضورؐ سے بے انتہا محبت تھی۔ جنگ احد کے بعد جب مسلمان مدینۂ منورہ کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں بنی دینار کی ایک خاتون کے مکان پر ان کا گزر ہوا۔ جس کے شوہر، باپ اور بھائی سب جنگ اُحد میں شہید ہو چکے ہیں۔ جب مسلمانوں نے انہیں ان سب کے شہید ہو جانے کی خبر سنائی تو انہوں نے سب سے پہلے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت بتاؤ۔ ان لوگوں نے کہا کہ الحمد للہ حضورؐ صحیح سلامت ہیں۔ اس پر وہ کہنے لگیں کہ مجھے حضورؐ کو دکھاؤ کہ میں آپؐ کو خود دیکھنا چاہتی ہوں لوگوں نے حضورؐ کی طرف اِشارہ کیا۔ انہوں نے پاس آکر چہرۂ مبارک کو دیکھا اور کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔

حضورؐ کے ایک صحابی زیدؓ بن الدثنہؓ کو کفار قتل کرنے کے لئے حرم سے باہر لے گئے اس وقت بہت سے لوگ جمع ہو گئے جن میں ابو سفیان بھی تھا۔ ابوسفیان

نے حضرت زیدؓ سے کہا کہ زیدؓ میں تم سے قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم آرام سے اپنے گھر والوں میں ہو اور تمہاری جگہ محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ایک کانٹا بھی چبھے۔ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے ساتھی ان سے کرتے ہیں۔

حضورؐ کے مؤذن حضرت بلالؓ کو بھی حضورؐ سے حد درجے محبت تھی حضورؐ کی وفات پر ان کے صدمے کا یہ عالم تھا کہ عہد کر لیا کہ حضورؐ کے بعد اب اذان نہیں دیا کروں گا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں حضرت بلالؓ جہاد میں شرکت کرنے کے لئے شام چلے گئے۔ وہ سرزمین آپؐ کو اتنی پسند تھی کہ وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اور ایک عرصے تک وہاں رہے۔ پھر ایک دن خواب میں حضورؐ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ بلالؓ یہ خشک زندگی کب تک — کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو۔

اس خواب نے حضرت بلالؓ کے دل کا عجب حال کر دیا۔ عشق رسولؐ کے زخم از سر نو ہرے ہو گئے اور آپ نے مدینہ منورہ کی راہ لی۔ جب روضۂ اقدس پر پہنچے تو مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے اور آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا۔ مضطربانہ جوشِ محبت سے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو چمٹا چمٹا کر پیار کرنے لگے۔ ان دونوں نے آپ کے سامنے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے۔ گو وہ ارادہ کر چکے تھے کہ حضورؐ کے بعد اب اذان نہیں دیں گے۔ مگر حضورؐ کے جگر گوشوں کی فرمائش کو ٹال نہ سکے۔ جب صبح ہوئی تو مسجد نبوی کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ اذان کہتے کہتے

جب آپ نے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا تو خواتین تک بے قرار ہو کر باہر نکل آئیں اور تمام عاشقانِ رسولؐ کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مدینے میں ایسا پُر اثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

ایسے ہی ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بھی حضرت بلالؓ سے اذان دینے کی فرمائش کی تھی۔ اس پر انہوں نے فرمایا تھا کہ اگرچہ میں عہد کر چکا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہیں دوں گا مگر آج میں آپ کی یہ خواہش پوری کروں گا۔ چنانچہ ایک عرصے کے بعد آپ نے اذان دی۔ اذان کی آواز سن کر لوگوں کے دل بے تاب ہو گئے اور حضورؐ کا زمانہ یاد آ گیا۔ حضرت عمرؓ تو اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

اتباعِ رسولؐ :

اتّباع اور اطاعت کے معانی میں یہ فرق ہے کہ اطاعت کا مطلب ہے اس حکم کی تعمیل کرنا جو دیا گیا ہو مگر اتباع کا مطلب ہے پیروی کرنا چاہے اس کام کا باقاعدہ حکم دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو۔ صحابہ کرامؓ کو حضورؐ سے جو والہانہ عشق تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ ہر اس کام کو کرنے کی کوشش کرتے تھے جو حضورؐ کرتے ہوں چاہے حضورؐ نے وہ کام کرنے کا باقاعدہ حکم نہ بھی دیا ہو۔ ذیل کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس طرح ہر اس کام کو کرنے کی کوشش کرتے تھے جو انہوں نے حضورؐ کو کرتے دیکھا ہو اور ہر اس شئے کو پسند کرنے لگتے تھے جس کے لئے حضورؐ نے پسندیدگی کا اظہار کیا ہو۔

موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہؓ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ (دورانِ سفر) راستے میں بعض مقامات کو تلاش کرتے تھے اور وہاں نماز پڑھتے تھے۔ اور بیان کرتے تھے کہ ان کے والد (حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بھی) ان مقامات پر نماز پڑھا کرتے تھے اور انہوں نے (یعنی حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ (حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے آزاد کردہ عالم غلام) نافع نے بھی حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی طرف سے مجھ سے روایت کیا کہ وہ ان مقامات پر نماز پڑھا کرتے تھے میں نے سالم (بن عبداللہؓ بن عمرؓ) سے اس کے بارے میں پوچھا تو، مجھے یہی علم ہے کہ، انہوں نے ان سب مقامات کے بارے میں نافع سے اتفاق کیا۔ البتہ (مقام) رَوحاء کی بلندی پر واقع ایک مسجد کے بارے میں دونوں میں اختلاف تھا۔ (ایک کا خیال تھا کہ یہ مسجد ان مقامات میں سے ہے جہاں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے حضورؐ کی پیروی کرتے ہوئے نماز پڑھی تھی اور دوسرے کا خیال تھا کہ یہ ان میں سے نہیں)۔ (بخاری)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور میں بھی حضورؐ کے ساتھ گیا۔ آپؐ کے پاس شوربا لایا گیا جس میں کدو (پڑا ہوا) تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کدو کو کھانے لگے۔ اور حضورؐ کو کدو پسند تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ دیکھا تو میں کدو کو حضورؐ کے سامنے رکھنے لگا۔ اور خود نہیں کھاتا تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس (واقعہ) کے بعد سے مجھے (بھی) کدو اچھا لگنے لگا ہے۔

(مسلم)

حضرت طلحہ بن نافع بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کو فرماتے سنا کہ ایک روز رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے گھر لے گئے۔ آپؐ کے سامنے روٹی کے کچھ ٹکڑے پیش کئے گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا کوئی سالن نہیں ہے۔ گھر والوں نے عرض کیا کہ نہیں، بس کچھ سرکہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ سرکہ تو اچھا سالن ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ بات سنی ہے مجھے سرکے سے محبت ہوگئی ہے اور طلحہ (بن نافع) کہتے ہیں کہ جب سے میں نے حضرت جابرؓ سے یہ بات سنی ہے مجھے (بھی) سرکے سے محبت ہوگئی ہے۔ (مسلم)

بکر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ اس گھرانے (یعنی حضرت ابن عباسؓ کے گھرانے) کے لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ (حج کے لئے آنے والے لوگوں کو) کھجور کا شربت پلاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے چچا کے بیٹے (لوگوں کو) دودھ اور شہد اور ستّو پلاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ (یعنی حضرت ابن عباسؓ کے گھرانے والے) بخیل ہیں یا کہ محتاج ہیں (کہ لوگوں کو کم قیمت چیز پلاتے ہیں۔ یہ بات سُن کر) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نہ ہم بخیل ہیں اور نہ محتاج ہیں، بلکہ (بات یہ ہے کہ ایک دن) رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی سواری پہ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور آپؐ کے پیچھے اُسامہؓ بن زیدؓ (بیٹھے) تھے۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پینے کو کچھ مانگا، آپؐ کے پاس کھجور کا شربت لایا گیا، پس آپؐ نے اس سے پیا اور اپنا بچا ہوا (شربت) اُسامہؓ کو دیا۔ انہوں نے بھی اس سے پیا۔ پھر رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا،

تم نے خوب کیا، ایسے ہی کیا کرو۔ پس ہم اسی طرح کرتے ہیں (جس طرح کرنے

کو حضورؐ نے پسند فرمایا) ہم نہیں چاہتے کہ ہم حضورؐ کی فرمائی ہوئی بات کو بدل دیں۔

(ابوداؤد)

حضرت ابن عباسؓ کی مراد یہ تھی کہ چونکہ حضورؐ نے کھجور کا شربت پلائے جانے پر "تم نے اچھا کیا" "تم نے خوب کیا، ایسے ہی کیا کرو" فرمایا تھا اس لیے اب ہم کھجور کا شربت ہی پلاتے ہیں تاکہ وہی کام کریں جس کو حضورؐ نے "اچھا" اور "خوب" کہا تھا اور جسے کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ ورنہ نہ ہم بخیل ہیں نہ محتاج کہ زیادہ قیمتی چیزیں چھوڑ کر نسبتاً کم قیمت چیز پلائیں۔

ابورافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی انہوں نے (سورہ) اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھی اور (اس کے دوران) سجدہ (تلاوت) کیا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس سورہ میں سجدہ کیا تھا۔ پس میں اس میں ہمیشہ سجدہ کرتا ہی رہوں گا۔ یہاں تک کہ حضورؐ سے مل جاؤں (بخاری)

قرآن کے جن مقامات پر سجدۂ تلاوت کرنے کا حکم ہے ان میں ایک سورۃ الانشقاق کی آیت نمبر ۲۱ بھی ہے۔ چونکہ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ سورہ پڑھی لہٰذا انہوں نے سجدۂ تلاوت کیا کیونکہ وہ حضورؐ کو اس جگہ سجدہ کرتے دیکھ چکے تھے ابوالقاسم حضورؐ کی کنیت تھی۔

آخری مرضؐ وصال اور تکفین وتدفین وغیرہ

جنابِ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس لئے مبعوث فرمایا گیا تھا کہ دین کو مکمل کر دیں اور اللہ کی مخلوق کو پوری پوری ہدایت بہم پہنچا دیں۔ جب آپؐ اپنا یہ معزز فریضہ سرانجام دے چکے، عرب میں ہر طرف اسلام پھیل گیا اور ایک ایسی ملّت وجود میں آگئی جو اس بات کی صلاحیت رکھتی تھی کہ خدا کے آخری پیغام کو آگے دوسری قوموں تک پہنچا دے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبیؐ کو واپس بلا لیا۔ ذیل میں ایک ترتیب کے ساتھ وہ احادیث بیان کر دی گئی ہیں جن میں حضورؐ کے آخری مرض سے لے کر آپؐ کی تکفین وتدفین اور حضورؐ کی جدائی پر مسلمانوں کے غم واندوہ کا ذکر ہے۔

آخری مرض :

رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی انصاف پسندی کے باعث امہات المؤمنین

کے گھروں میں باری باری رہا کرتے تھے۔ پھر آخری مرض میں مبتلا ہو جانے کے باعث جب آپؐ کی طبیعت ناساز ہوئی تو آپؐ کی خواہش تھی کہ اب آپؐ حضرت عائشہؓ ہی کے گھر میں رہیں مگر عدل کا تقاضا پورا کرنے کی خاطر آپؐ نے امہات المؤمنینؓ سے اس بات کی اجازت مانگی اور جب ان نیکوکار خواتین نے آپؐ کو اس بات کی اجازت دے دی تو پھر آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے آئے اور بقیہ دن وہیں بسر فرمائے اور اسی حجرے میں آپؐ کی تدفین عمل میں آئی۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے (آخری) مرض کی ابتداء (ام المؤمنین حضرت) میمونہؓ کے گھر میں ہوئی۔ آپؐ نے اپنی ازواجؓ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ آپؐ کی تیمارداری میرے گھر میں کی جائے۔ ازواج مطہراتؓ نے آپؐ کو اس بات کی اجازت دے دی تو حضورؐ (میرے گھر تشریف لے آنے کے لئے حضرت میمونہؓ کے گھر سے) نکلے اور (کمزوری کے باعث) آپؐ اپنا ایک ہاتھ (اپنے چچازاد بھائی) فضلؓ بن عباسؓ پر رکھے ہوئے تھے اور ایک ہاتھ کسی دوسرے شخص پر اور آپؐ کے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے ـــــ (اس حدیث کے ایک راوی) عبیداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو سنائی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ (دوسرا) شخص جس کا حضرت عائشہؓ نے نام نہیں لیا کون تھا؟ پھر فرمایا کہ وہ حضرت علیؓ تھے۔ (یعنی حضورؐ اپنے دونوں چچازاد بھائیوں حضرت فضلؓ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا سہارا لے کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لائے) (مسلم)

حضرت سعیدؒ بن جُبَیر (بیان کرتے ہیں کہ انہوں) نے حضرت عبداللہؓ

عباس رضؓ کو فرماتے سُنا۔

"جمعرات کا دن! (ہائے) کیا تھا وہ جمعرات کا دن!!!"

اور پھر حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ (اتنا) روئے (اتنا روئے) کہ ان کے آنسوؤں نے سنگریزے تر کر دیئے (حضرت سعیدؒ بن جُبیرؒ فرماتے ہیں کہ) میں نے پوچھا کہ اے ابن عباسؓ، جمعرات کے دن کیا ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ (اس دن) رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیماری نے شدت اختیار کر لی تھی۔ (پھر انہوں نے حضورؐ کے آخری ایّام کی مزید تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ) پھر حضورؐ نے فرمایا کہ میرے پاس شانے کی ایک ہڈی لاؤ۔ کہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد پھر تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ پھر (کیا ہوا کہ) صحابہؓ آپس میں اختلاف کرنے لگے (کہ آیا بیماری کی اس شدّت میں حضورؐ کو لکھنے کی تکلیف دی جائے یا نہ دی جائے) حالانکہ یہ مناسب نہیں کہ نبی کے پاس آپس میں اختلاف کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ حضورؐ کو کیا ہوا ہے، کہیں حضورؐ بیماری کی شدت کے زیرِ اثر تو یہ بات نہیں کر رہے؟ (اچھی طرح) سمجھ لو کہ حضورؐ کی مراد کیا ہے (مگر) پھر حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو۔ جس حالت میں مَیں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ پھر حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ کو تین باتوں کا حکم فرمایا۔ (ایک یہ) فرمایا کہ مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا اور (دوسرے یہ فرمایا کہ جو) وفود (دوسرے علاقوں سے اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغام لے کر آتے ہیں ان) کو اسی طرح جائزہ دیا کرنا جس طرح میں انہیں دیتا رہا ہوں اور (جہاں تک) تیسری بات (کا تعلق ہے) یا تو حضورؐ نے وہ بیان نہیں کی یا آپؐ نے بیان تو کی مگر میں اُسے بھول گیا ہوں۔ (بخاری)

اس حدیث میں ذکر آیا ہے کہ حضورؐ نے لکھنے کے لئے شانے کی ہڈی

مانگی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اس زمانے میں کاغذ عام طور پر ملنا مشکل ہوتا تھا اس لیئے لوگ لکھنے کے لیئے چوڑی چوڑی ہڈیوں کو بھی استعمال کیا کرتے تھے ایسے ہی حضورؐ نے وفود کو "جائزہ" دینے کی جو تلقین فرمائی اس کی تفصیل یہ ہے کہ مہمانوں کی مہمان داری کرنے کے سلسلے میں جو چیزیں پسندیدہ سمجھی جاتی تھیں۔ ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جب مہمان جائیں تو انہیں اتنا خرچ دیا جائے جو ایک منزل تک کافی ہو جائے۔ اس خرچ کو جیزہ یا جائزہ کہا جاتا تھا۔ حضورؐ نے وفود کو جائزہ دینے کی جو تلقین فرمائی اس سے مراد یا تو یہی ایک منزل کا خرچ تھا یا پھر حضورؐ کی مراد یہ تھی کہ وفود کی مہمانداری کیا کرنا جیسے کہ میں کرتا رہا ہوں، کیونکہ احادیث میں لفظ "جائزہ" مہمان کی مہمان داری کرنے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

عبیداللہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ کیا آپ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیماری کا حال نہیں بتائیں گی۔ انہوں نے فرمایا کہ کیوں نہیں ضرور بتاتی ہوں پھر انہوں نے حضورؐ کی آخری بیماری کا حال سنانا شروع کیا اور بتایا کہ جب (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیماری بڑھ گئی (اور عشار کی نماز کا وقت آیا) تو حضورؐ نے پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ نہیں یا رسولؐ اللہ، وہ آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں (کہ آپؐ جاکر انہیں نماز پڑھائیں) آپؐ نے فرمایا کہ میرے لیے لگن میں پانی رکھو لہٰذا ہم نے پانی رکھ دیا تو آپؐ نے غسل فرمایا۔ پھر (مسجد کی طرف) جانا چاہا تو بے ہوش ہو گئے۔ پھر افاقہ ہوا تو (دوبارہ) فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ ہم نے (پھر) عرض کہ کہ نہیں یا رسولؐ اللہ، وہ آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپؐ

نے پھر فرمایا کہ میرے لیے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے ویسے ہی کیا تو آپؐ نے غسل فرمایا پھر جانا چاہا تو (پھر) بے ہوش ہو گئے۔ پھر افاقہ ہوا تو (سہ بارہ) فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہؐ وہ آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ میرے لیے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے ویسے ہی کیا۔ پھر آپؐ نے غسل فرمایا اور جانا چاہا تو بے ہوش ہو گئے۔ پھر افاقہ ہوا تو (چوتھی بار) فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہؐ وہ آپؐ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور لوگ مسجد میں جمع تھے اور نماز عشاء کے لئے حضورؐ کے تشریف لانے کا انتظار کر رہے تھے۔ (پھر) حضرت عائشہ رضؓ بتاتی ہیں کہ (تین بار کوشش کرنے اور ہر بار بے ہوش ہو جانے کے بعد) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ پیغام بر نے اُن کے پاس آ کر کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ حضرت ابو بکرؓ نرم دل آدمی تھے (انہیں حضورؐ کی جگہ کھڑے ہونا مشکل لگا) لہٰذا انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے عمرؓ تم لوگوں کو نماز پڑھا دو۔ مگر حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ اسکے زیادہ حقدار ہیں چنانچہ حضرت ابو بکرؓ ان دنوں لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ پھر (ایک دن) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کو ہلکا پایا تو آپؐ ظہر کی نماز کے لیے دو آدمیوں کے سہارے سے نکلے ان میں ایک حضرت عباسؓ تھے۔ اس وقت حضرت ابو بکر رضؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور ان دو شخصوں سے (جن کے سہارے سے آپؐ تشریف لائے تھے) کہا کہ مجھے ابو بکر رضؓ کے پہلو میں بٹھا دو۔ پس انہوں نے آپؐ کو حضرت ابو بکرؓ کے

پہلو میں بٹھا دیا (اب صورت یہ تھی کہ) حضرت ابوبکر رضؓ کھڑے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدار کر رہے تھے اور صحابہ کرامؓ حضرت ابوبکر رضؓ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے (نماز پڑھا رہے) تھے۔

(اس حدیث کے راوی) عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا میں آپ کو وہ حدیث نہ سناؤں جو حضرت عائشہ رضؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارے میں مجھے بتائی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں سناؤ۔ پس میں نے حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث انہیں سنائی تو انہوں نے (اسے درست سمجھا اور) اس میں سے کسی بات کا انکار نہ کیا۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے پوچھا کہ کیا حضرت عائشہ رضؓ نے تمہیں اس شخص کا نام بتایا تھا جو حضرت عباس رضؓ کے ساتھ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں انہوں نے فرمایا کہ وہ (دوسرا شخص) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (مسلم)

امام زہری رحؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضؓ بن مالک انصاری نے جو (عقائد و اعمال میں) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے تھے اور آپؐ کی خدمت کرتے تھے اور آپؐ کی صحبت میں رہتے تھے، مجھ سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری میں جس میں پھر حضورؐ نے وفات پائی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب پیر کا دن آیا اور لوگ صفیں باندھے نماز ادا کر رہے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہمیں دیکھنے لگے۔ (اس وقت) حضورؐ کا چہرۂ مبارک (سفیدی اور نورانیت کے باعث) گویا کلام اللہ کا ورق تھا۔ پھر آپؐ (صحابہ کرام رضؓ کو اس طرح اتفاق اور یکجائی سے مصروف عبادت دیکھ کر) بشاشت سے ہنس دیئے (ادھر) ہم

یہ حال تھا کہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے باعث ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ ارادہ کیا کہ فتنے میں پڑ جائیں (یعنی نماز چھوڑ دیں) حضرت ابوبکرؓ نے سمجھا کہ شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز (پڑھانے) کے لئے تشریف لائے ہیں لہٰذا وہ پیچھے ہٹے تاکہ صف کے ساتھ مل جائیں۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نماز کو پورا کرو۔ اور آپؐ نے پردہ ڈال دیا۔ پھر اُسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ (بخاری)

حضورؐ کی وفات :

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُس بیماری میں جس سے پھر آپؐ اٹھے نہیں فرمایا کہ اللہ یہودیوں پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ حضورؐ کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیا جائے گا تو آپؐ کی قبر کو کھول دیا جاتا۔ (بخاری)

"کھول دیا جاتا" کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ حضورؐ کی قبر مبارک کھلے میدان میں ہوتی۔ لیکن چونکہ خدشہ تھا کہ لوگ اُسے سجدہ گاہ نہ بنا لیں اس لئے حضورؐ کو حجرے کے اندر دفن کیا گیا۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی وہ سختی آئی جو کہ آئی تو حضرت فاطمہؓ نے کہا: "ہائے میرے باپ کی سختی!" تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی سختی نہیں آئے گی۔ اور تیرے باپ پر وہ وقت آیا ہے جو ہر ایک پر آنے والا ہے۔ اب قیامت کے دن (ہی) ملاقات ہوگی۔ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس وقت) دیکھا جب آپؐ کا وصال قریب تھا۔ آپ کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں پانی تھا۔ آپؐ اپنا ہاتھ پیالے میں ڈالتے پھر پانی کو منہ پر مل لیتے، پھر فرماتے کہ اے خدا میری امداد کر موت کی سختیوں پر۔ یا آپؐ (یوں) فرماتے کہ (میری امداد کر) موت کی بے ہوشیوں پر۔ (شمائل ترمذی)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے وفات سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو (کچھ) فرماتے سنا۔ اس وقت حضورؐ حضرت عائشہ رضؓ کے سینے کے ساتھ سہارا لگائے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے کان لگا کر سنا تو آپؐ فرما رہے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ

(اے خدا مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیقوں سے ملا دے)

(مسلم)

رفیقوں سے مراد وہ انبیائے کرام ہیں جو حضورؐ سے پہلے گزر چکے تھے۔

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں وفات پائی کہ آپ میری دگدگی اور ٹھوڑی کے درمیان تھے (یعنی آپؐ مجھ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور آپؐ کا سر مبارک میرے سینے سے لگا ہوا تھا) پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات کی سختی دیکھنے) کے بعد اب میں کبھی بھی کسی کی موت کی سختی کو برا نہیں سمجھتی۔ (بخاری)

کسی کی موت کی سختی کو برا نہیں سمجھتی کہنے سے حضرت عائشہ رضؓ کی مراد یہ تھی کہ اب میں کسی شخص کی موت کی سختی کو اس بات کی علامت نہیں سمجھتی کہ اس کی آخرت خراب ہوگی، کیونکہ یہ سختی تو حضورؐ پر بھی گزری جو بخشے ہوئے تھے۔

رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک ہرگز قبض نہیں کی جاتی جب تک وہ اپنا وہ ٹھکانہ نہ دیکھ لے جو جنّت میں ہے اور پھر اُسے (دنیا میں رہنے یا دنیا سے چلے جانے کا) اختیار نہ دے دیا جائے، (پھر) حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جب (موت کا فرشتہ) رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اتر آیا اور آپؐ کا سر میری ران پر تھا تو آپؐ ایک ساعت کے لئے بے ہوش ہو گئے۔ پھر افاقہ ہوا تو اپنی نگاہ چھت کی طرف اٹھائی اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الاعلیٰ (اے خدا اب اوپر والے رفیق مطلوب ہیں یعنی انبیاء اور فرشتے) حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ (حضورؐ کی یہ بات سُن کر) میں نے کہا کہ اب آپؐ ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے (یعنی دنیا سے تشریف لے جائیں گے) نیز فرماتی ہیں کہ مجھے وہ بات یاد آگئی جو حضورؐ ہمیں بتایا کرتے تھے اور حضورؐ اپنی اس بات میں سچے تھے کہ کسی نبی کی روح اس وقت تک ہرگز قبض نہیں ہوتی جب تک وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے (اور) پھر اُسے (دنیا میں رہنے یا نہ رہنے کا) اختیار نہ دے دیا جائے۔ حضرت عائشہ رضؓ بتاتی ہیں کہ حضورؐ کا یہ قول "اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلیٰ" وہ آخری بات تھی جو حضورؐ نے کی۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی شخص بیمار ہوتا تو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اس پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے اور (یہ دعا) کرتے۔

اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا

(اے انسانوں کے ربّ بیماری کو دور فرما دے اور شفا عطا فرما دے تُو شفا عطا کرنے والا ہے۔ شفا تو تیری ہی شفا ہے۔ ایسی شفا عطا فرما

جو کوئی بیماری باقی نہ چھوڑے)

پھر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری شدید ہو گئی تو میں نے آپ کا ہاتھ پکڑا تا کہ آپ کے ساتھ اسی طرح کروں جیسے آپ مریضوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے کھینچ لیا۔ پھر کہا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَاجْعَلْنِیْ مَعَ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی (اے خدا مجھے بخش دے اور مجھے اوپر والے رفیقوں سے ملا دے) پھر جو میں دیکھنے لگی تو آپ انتقال فرما چکے تھے۔ (مسلم)

حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ (آخری بیماری کے دوران) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چمڑے کا پیالہ تھا یا لکڑی کا پیالہ تھا جس میں پانی تھا (اس حدیث کے ایک راوی) عمر بن سعید) کو شک ہے (کہ حضرت عائشہؓ نے چمڑے کا پیالہ کہا تھا یا لکڑی کا پیالہ۔ غرضکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو پانی میں ڈالتے اور پھر انہیں اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت میں شدید سختی ہے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ کھڑا کیا اور فرمانے لگے "فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی" (یعنی خدایا مجھے اوپر والے رفیقوں میں داخل فرما دے) یہاں تک کہ آپ کی روح مبارک قبض ہو گئی اور آپ کا مبارک ہاتھ (نیچے) جھک گیا!!! (بخاری)

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ)

حضورؐ کی تکفین و تدفین:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یمن کی بستی سحول کے بنے ہوئے تین سفید سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو آپؐ کی تدفین کے بارے میں صحابہؓ میں باہم اختلاف ہو گیا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی جس کو میں بھولا نہیں ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اسی جگہ وفات دیتا ہے جہاں اُس کا دفن کیا جانا اُسے پسند ہو (لہٰذا) حضورؐ کو آپؐ کی بستر کی جگہ ہی پر دفن کر دو۔ (شمائل ترمذی)

آخر یہی فیصلہ ہوا کہ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے اندر ہی تدفین ہو۔ چنانچہ لوگوں نے حجرے کے اندر ہی نماز جنازہ ادا کی۔ ایک جماعت آتی اور نماز جنازہ ادا کرتی۔ پھر وہ چلی جاتی اور دوسری جماعت آتی۔ اسی طرح سب نے نماز ادا کر لی اور آخر میں حضورؐ اس بابرکت حجرے کے اندر ہی اپنے چاہنے والوں کی نگاہوں سے قیامت تک کے لیے اوجھل ہو گئے!!!

مسجد نبوی کی تصاویر میں نظر آنے والا سبز گنبد اسی مبارک حجرے کے اوپر بنا ہوا ہے۔

جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن وفات پائی۔ پھر اس دن اور آگے آنے والی منگل کی رات حضورؐ رہے اور (منگل اور بدھ کی درمیانی) رات کو حضورؐ کو دفن کیا گیا (اس حدیث کے ایک اور راوی) سفیان (ابن عیینہ) بیان کرتے ہیں کہ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رات کے آخری حصّے میں کدالوں کی آواز سنی جاتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

مولانا شبلی نعمانی نے علامہ ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضورؐ کی تدفین منگل کے دن ہوئی مگر بدھ کی شام شروع ہو چکی تھی۔

قبرِ مبارک :

سُفیان التمّار بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک دیکھی جو اونٹ کے کوہان کی شکل کی تھی۔ (بخاری)

حضورؐ کے وصال پر مسلمانوں کا غم واندوہ :

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح قیامت تک کے لیے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے سے اہلِ اسلام کے سروں پر غم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ جن نیکو کاروں نے بڑی بڑی جانکاہ اذیتوں کو صبر و تحمل سے برداشت کیا اس شدید صدمے پر اپنے آپ کو روک نہ سکے اور گریہ و بکا پر مجبور ہو گئے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے مجھ سے فرمایا کہ اے انسؓ تم لوگوں کے دلوں کو یہ کیسے گوارا ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔

(اس حدیث کے ایک راوی) ثابت حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہؓ کہنے لگیں:

"ہائے میرے باپ ! میں جبرئیلؑ کو ان کی وفات کی خبر سناتی ہوں!

ہائے میرے باپ ! اپنے رب سے کتنے قریب ہو گئے !

ہائے میرے باپ ! ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے !

ہائے میرے باپ ! اپنے رب کا بلانا قبول دیا!

(ثابت سے یہ حدیث سننے والے راوی) حماد بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جب ثابت نے یہ حدیث بیان کی تو وہ اتنا روئے (اتنا روئے) کہ ان کی

پسلیاں تلے اوپر ہو گئیں۔ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے پاس آئے اور اپنا منہ حضورؐ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا (یعنی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا) اور اپنے دونوں ہاتھ آپؐ کی دونوں کلائیوں پر رکھ کر کہا: "ہائے نبیؐ! ہائے صفی! ہائے خلیل!"
(شمائل ترمذی)

صفی کا مطلب ہے چنا ہوا اور خلیل کا مطلب ہے دلی دوست۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ (مدینے کی ایک قریبی بستی) عوالی میں اپنی بیوی کے پاس تھے جو خارجہ کی بیٹی تھیں۔ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تو نہیں ہوئی (بلکہ) آپؐ تو اس قسم کی حالت میں ہیں جس حالت میں آپؐ وحی آنے پر ہوا کرتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ آئے اور آپؐ کا چہرہ کھولا اور (یہ دیکھ کر کہ آپؐ واقعی وفات پا چکے ہیں) آپؐ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا کہ آپؐ کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ ہے کہ وہ آپؐ پہ دو دفعہ موت وارد کرے گا اور فرمایا کہ خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں (اُدھر) حضرت عمرؓ (کا شدت غم سے یہ حال تھا کہ وہ) مسجد کے ایک کونے میں کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی اور آپؐ اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک منافقوں میں سے بہت سے لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا نہیں دیں گے (یہ صورت حالات دیکھ کر) حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو گئے اور (لوگوں کو خطاب کرنے کے لئے) منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ (تم میں سے) جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو (وہ جان لے کہ)

اللہ زندہ ہے، ہرگز نہیں مرے گا۔ اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے تو (وہ سن لے کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے ہیں (پھر آپ نے سورہ آل عمران کی آیت ۱۴۴ پڑھی)

"محمدؐ تو بس ایک رسول ہیں، اُن سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں (جو اپنے اپنے وقت پر وفات پاتے گئے تھے) پھر کیا اگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم بھی) وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ (یاد رکھو کہ) جو اُلٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ (بلکہ اپنا ہی نقصان کرے گا) اور اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔"

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ (جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت پڑھی تو مجھے ایسے محسوس ہوا) گویا میں نے اس دن سے پہلے یہ آیت کبھی پڑھی ہی نہ تھی۔ (ابن ماجہ)

حضورؐ کی وفات پر مسلمانوں کے غم والم کا وہ عالم تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے دانا شخص بھی گویا ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو آیت پڑھی اس میں حضورؐ کی وفات کی طرف اشارہ موجود تھا اور حضرت عمرؓ اس آیت کو پہلے سُن چکے تھے مگر جب حضرت ابوبکرؓ نے بروقت اس آیت کو پڑھ کر سنایا تو انہیں ایسے محسوس ہوا گویا انہوں نے یہ آیت پہلی ہی دفعہ سُنی تھی۔

حضرت بلالؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی حد تک محبت تھی۔ لہٰذا حضورؐ کا دنیا سے انتقال فرما جانا ان کے لئے بہت ہی بڑا المیہ تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد ابھی حضورؐ کی تدفین نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے اذان کہی۔ جب اس جملے پر پہنچے کہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

تو مسجد میں لوگ اتنا رو دیئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

ایک شخص صحابہ کرامؓ کا غم واضطراب دیکھ کر مدینے سے عمان آیا تو لوگوں کو آپؐ کے وصال کی خبر دی اور کہا کہ میں مدینے کے لوگوں کو ایسے حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ (شدت غم کے باعث) اُن کے سینے دیگچی کی طرح اُبال کھا رہے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن ابی لیلیٰ انصاریؓ نے حضورؐ کے وصال پر لوگوں کی بے قراری اور غم واندوہ کی شدت کا حال بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ان دنوں ابھی بچہ تھا اور لوگوں کے گریہ و بکا کو دیکھ کر روتا تھا۔

حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی تھیں کہ یہ کتنی سخت مصیبت تھی۔ جب ہمیں یہ مصیبت (یعنی حضورؐ کا وصال) یاد آتی ہے تو ہر مصیبت اس کے مقابلے میں ہیچ اور آسان معلوم ہوتی ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (ایک دن) حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آؤ (حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالنے کا شرف حاصل کرنے والی خاتون) اُمّ اَیمنؓ کی ملاقات کو چلیں جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ملاقات کو جایا کرتے تھے۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ ان دونوں نے ان سے کہا کہ آپ کیوں روتی ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو کچھ ہے وہ (دنیا سے) بہتر ہے۔ اس پر وہ فرمانے لگیں کہ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ جو کچھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا کے پاس ہے وہ بہتر ہے۔ میں اس وجہ سے نہیں روتی۔ بلکہ میں تو اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی آنے کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ حضرت اُمّ اَیمنؓ کی یہ بات سُن کر ان صاحبوں کا دل بھی بھر آیا اور وہ بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ (مسلم)

حضورؐ کے بعد :

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ دن تھا جب رسول خدا صلیؐ اللہ علیہ وسلّم مدینہ منوّرہ میں تشریف لائے تھے تو مدینے کی ہر شے روشن ہو گئی تھی پھر جب وہ دن آیا جب حضورؐ نے وفات پائی تو مدینے کی ہر شے تاریک ہو کر رہ گئی اور ہم نے ابھی اپنے ہاتھ مٹی سے صاف بھی نہیں کیے تھے اور ابھی ہم حضور صلیؐ اللہ علیہ وسلّم کی تدفین میں مصروف ہی تھے کہ ہمیں اپنے دلوں کی کیفیت بدلتی معلوم ہونے لگی !

(شمائل ترمذی)

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

(القلم ۴)

(اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں)

جہاں تک پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور عبادات کا تعلق ہے اس سلسلے کی پہلی دس کتابیں آپ کی لائی ہوئی تعلیمات ہی پر مشتمل ہیں اور آپؐ کی عبادات کا ذکر بھی مناسب جگہوں پر آتا رہا ہے۔ اب یہاں آپؐ کے اخلاق عالیہ کے بعض پہلوؤں کے بارے میں کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بہترین تعریف حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے اس قول میں فرمائی ہے۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ — یعنی قرآن آپؐ کا اخلاق تھا۔

(مسلم)

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے محض قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں کی تھی بلکہ خود اس کا مجسم نمونہ بن کر دکھا دیا تھا۔ جس چیز کا قرآن میں حکم دیا گیا آپؐ نے خود سب

سے بڑھ کر اس پر عمل کیا۔ جس چیز سے اس میں روکا گیا آپؐ نے خود سب سے زیادہ اس سے اجتناب فرمایا۔ جن اخلاقی صفات کو اس میں فضیلت قرار دیا گیا سب سے بڑھ کر آپؐ کی ذات اُن سے متصف تھی اور جن صفات کو اس میں ناپسندیدہ ٹھہرایا گیا سب سے زیادہ آپؐ اُن سے پاک تھے۔"

(تفہیم القرآن)

حضرت برارؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ حسین چہرے والے تھے۔ اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔ ۔ ۔ ۔ (بخاری)

سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷ میں حضورؐ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ہم نے آپ کو دنیا والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

"مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دراصل نوع انسانی کے لئے خدا کی رحمت اور مہربانی ہے کیونکہ آپؐ نے آکر غفلت میں پڑی ہوئی دنیا کو چونکایا ہے اور اسے وہ علم دیا ہے جو حق اور باطل کا فرق واضح کرتا ہے اور اس کو بالکل غیر مشتبہ طریقے سے بتا دیا ہے کہ اس کے لیے تباہی کی راہ کون سی ہے اور سلامتی کی کونسی۔" (تفہیم القرآن)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری اور لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ سلگائی۔ پھر جب اس آگ نے اس کے ماحول کو روشن کر دیا تو پتنگے اور

آگ میں گرنے والے کیڑے اس آگ میں گرنے لگے۔ وہ شخص انہیں کھینچ کر باہر نکالنے لگا۔ مگر وہ اس پر غالب آنے لگے۔ اور (اس کے قابو سے باہر ہوتے ہوئے) اس آگ میں گرتے (اور اپنے آپ کو جلاتے) رہے۔ پس (وہی حال میرا اور تمہارا ہے کہ) میں تمہاری کمریں پکڑ پکڑ کر تمہیں آگ سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر تم ہو کہ اس میں گرے پڑ رہے ہو۔

(بخاری)

حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑی مہربانی جو انسان پر کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اسے زندگی گزارنے کا وہ صحیح ڈھنگ سکھا دیا جائے جس سے اس کی دنیوی زندگی بھی جو عارضی ہے اور اخروی زندگی بھی جو دائمی ہے دونوں سُدھر جائیں۔ یہ ڈھنگ بطور خود معلوم کرنا انسان کے بس میں نہیں تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و شفقت کے باعث اس پر یہ بوجھ نہیں ڈالا کہ وہ اسے خود معلوم کرے۔ بلکہ انبیاء کے ذریعے اُسے یہ ڈھنگ سکھاتا رہا ہے۔ پھر آخر میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں صحیح زندگی گزارنے کا پورا طریقہ بتا دیا۔ جس نے اس طریقے کی زندگی گزاری وہ جہنم کی آگ سے بچ گیا اور جس نے اس طریقے کو اختیار کرنے کے بجائے دوسرے دوسرے طریقے اختیار کئے وہ جہنم کی آگ کا مستحق ہو گیا۔ یہی مطلب ہے حضورؐ کے اس فرمان کا کہ میں تمہاری کمریں پکڑ پکڑ کر تمہیں آگ سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں یعنی میں محنت اور کوشش سے تمہارے سامنے وہ دین پیش کر رہا ہوں جس پر عمل کرنے سے تم آگ سے بچ جاؤ گے مگر تم ان طور طریقوں پر ٹوٹے پڑ رہے ہو جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

اللہ کی مخلوق کو راہ راست دکھانے کے باعث جو حضورؐ ان کے لیے زحمت

ثابت ہوئے اس کے علاوہ آپؐ ویسے بھی سب کے لئے بے انتہا شفیق اور مہربان تھے اپنی امت کے لیے تو شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورۃ) ابراھیم میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(آیت ۳۶)

(حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی) پروردگار ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے (ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کردیں، لہٰذا ان میں سے) جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے۔ اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے۔

اور (حضورؐ نے سورۃ المائدہ کی آیت ۱۱۸ بھی پڑھی جس میں بیان ہوا ہے کہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی امت کی سفارش کرتے ہوئے) عرض کریں گے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

اگر آپ انہیں سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف فرمادیں تو آپ غالب اور دانا ہیں۔

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا:

"اے خدا میری اُمّت، (اے خدا) میری اُمّت!"

اور آپؐ رو پڑے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جبرئیلؑ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے پاس جاؤ اور (اگرچہ) تمہارا ربّ خود ہی خوب جانتا ہے (کہ وہ کس بات پر رو رہے ہیں تاہم) ان سے پوچھو کہ آپؐ کس بات پر روتے ہیں۔ پس حضرت جبرئیلؑ علیہ السّلام حضورؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے (رونے کا سبب) پوچھا۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو کچھ کہا تھا وہ حضرت جبرئیلؑ کو بتا دیا (یعنی یہ کہ میں اپنی امّت کی نجات کے لئے رویا تھا۔ اور حضرت جبرئیلؑ نے یہ بات جاکر اللہ تعالیٰ کو بتادی) حالانکہ اللہ تعالیٰ (یہ بات خود ہی) خوب جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جبرئیلؑ محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے پاس جاؤ اور (ان سے) کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امّت کے بارے میں خوش کر دیں گے۔ اور آپؐ کو رنجیدہ نہیں کریں گے۔ (مسلم)

اس حدیث میں ایک تو جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس بے پناہ محبّت کا ذکر ہے جو آپؐ کو اپنی امّت سے تھی اور دوسرے حضورؐ کی امّت کے لیے نیک انجامی کی بشارت بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حضرت جبرئیلؑ سے یہ فرمانا کہ "محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے پاس جاؤ اور (ان سے) کہو کہ ہم آپ کو آپ کی امّت کے بارے میں خوش کر دیں گے۔ اور آپؐ کو رنجیدہ نہیں کریں گے" اپنے اندر بہت بڑی خوشخبری رکھتا ہے۔

حضورؐ کی یہ شفقت، نرمی، رحمدلی، مہربانی اور خیر خواہی اتنی عام تھی کہ اس میں اپنے اور پرائے، رشتے دار اور اجنبی، عورت اور مرد، بچے اور

بڑے، انسان اور حیوان، دین کے حامی اور دین کے مخالف یہاں تک کہ دشمنانِ جان بھی آجاتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی علیہ وسلّم سے عرض کیا گیا کہ یا رسولؐ اللہ، مشرکین کے لئے بددعا کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے بہت لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (مسلم)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی بھی کسی شئے کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا تھا۔ اور نہ کسی عورت کو اور نہ کسی خادم کو، سوائے اس کے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔ اور آپؐ کو جب کبھی کسی سے کوئی تکلیف پہنچی آپؐ نے کبھی بھی اس سے بدلہ نہ لیا۔ ہاں اگر اللہ کے حرام ٹھہرائے ہوئے کاموں میں سے کوئی کام کیا جاتا تو آپؐ اللہ تعالیٰ کی خاطر (اس حرام فعل کا ارتکاب کرنے والے سے) انتقام لے لیتے۔ (مسلم)

حضورؐ کے عفو و درگزر کا یہ عالم تھا کہ

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نجد کے غزوے میں رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے۔ جب دوپہر کا وقت آیا تو حضورؐ ایک ایسی وادی میں تھے جہاں کانٹے دار درخت بہت تھے۔ پس حضورؐ ایک درخت کے نیچے اترے اور اس کے سائے میں آرام فرمانے لگے اور اپنی تلوار کو لٹکا دیا۔ لوگ بھی (ادھر اُدھر) متفرق ہو کر درختوں کے نیچے سائے میں آرام کرنے لگے۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں پکارا۔ ہم آئے تو دیکھا کہ ایک بدّو حضورؐ کے سامنے بیٹھا ہے۔ حضورؐ نے بتایا کہ میں سو رہا تھا کہ یہ

میرے پاس آیا اور میری تلوار (لے کر) سونت لی، میں جاگا تو یہ ننگی تلوار سونتے میرے سر پر کھڑا تھا۔ یہ کہنے لگا کہ (اب) آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ میں نے کہا کہ اللہ، تو اس نے تلوار کو نیام میں کر لیا پھر بیٹھ گیا۔ اور (اب) یہ (بیٹھا ہوا) ہے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اس شخص کو کوئی سزا نہ دی (حالانکہ وہ حضورؐ کی نعوذ باللہ جان لینے آیا تھا) (بخاری)

سخاوت و فیاضی کا یہ حال تھا کہ

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم مال عطا کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور رمضان کے مہینے میں آپؐ کی سخاوت تمام اوقات سے زیادہ ہوتی تھی۔ جبرئیل علیہ السلام ہر سال رمضان کے مہینے میں، اس کے گزر جانے تک، آپؐ سے ملتے رہتے تھے۔ اور رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم انہیں قرآن سناتے تھے۔ جب جبرئیلؑ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ملاقات کرتے تو آپؐ اس ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔ جو (اللہ کی رحمت یعنی بارش کی خوش خبری کے لیے) بھیجی جاتی ہے۔ (مسلم)

سچائی کا یہ عالم تھا کہ اسلام سے پہلے کفار نے بھی آپؐ کو "صادق" کا خطاب دے رکھا تھا۔ آپؐ مزاح کرتے ہوئے بھی غلط بات کہنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپؐ ہمارے ساتھ مزاح کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ (ہاں مگر مزاح میں بھی) میں سچی بات ہی کہتا ہوں۔ (شمائل ترمذی)

آپؐ اتنے حیادار تھے کہ

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم

پردے والی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے۔ . . . (بخاری)

انبیاء کا رتبہ اس سے بہت زیادہ بلند ہوتا ہے کہ وہ دنیاوی خواہشات کو اپنے اوپر حاوی ہونے دیں یا دنیا کی زیب وزینت کی طرف مائل ہوں۔

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے تو آپؐ کے بدن مبارک پر اس (کی بناوٹ) کے نشان پڑ گئے میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان کاش کہ آپؐ ہمیں اجازت دیتے تو ہم اس (چٹائی) پر کوئی بستر بچھا دیتے جو آپؐ کو اس (طرح چٹائی کی بناوٹ کے جسم مبارک میں کھُب جانے) سے محفوظ رکھتا۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا تعلق۔ مجھے تو دنیا سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا اس مسافر کو جو سایہ حاصل کرنے کے لیے کسی درخت کے نیچے کچھ دیر ٹھہرے اور پھر اسے چھوڑ کر چل دے۔ (ابن ماجہ)

آپؐ کے عدل وانصاف کا یہ حال تھا کہ اپنی ذات اقدس کو بھی مستثنیٰ نہیں فرماتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شئے بانٹ رہے تھے کہ ایک شخص آپؐ پر جھک پڑا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹہنی سے جو آپؐ کے پاس تھی اسے کچو کا دیا وہ شخص نکلا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سمجھتے ہوئے کہ میں نے اسے تکلیف پہنچائی ہے) فرمایا کہ آ بدلہ لے لے۔ مگر اس نے کہا کہ نہیں یا رسولؐ اللہ، میں نے معاف کیا۔ (نسائی)

اسلام آنے سے پہلے بھی حضورؐ کی عہد کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ

عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی

بنائے جانے سے پہلے (ایک دفعہ) میں نے آپؐ سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا۔ تو آپؐ کی کچھ رقم میرے ذمے باقی رہ گئی۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں وہ رقم یہیں لے آتا ہوں۔ مگر میں بھول گیا اور تین دن کے بعد یہ بات یاد آئی تو میں آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضورؐ اسی جگہ موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے نوجوان تو نے مجھے تکلیف دی۔ میں تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابوداؤد)

اللہ کی راہ میں آپؐ نے بے پناہ سختیاں برداشت کیں مگر صبر و استقلال کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پایا۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خدا کی راہ میں اتنا ڈرایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور مجھے خدا کی راہ میں اتنی اذیتیں دی گئیں کہ کسی اور کو اتنی نہیں دی گئیں اور مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں اس طرح گزریں کہ میرے اور بلالؓ کے لیے اتنا کھانا نہیں تھا جسے کوئی صاحب جگر (یعنی جاندار) کھائے سوائے اس تھوڑی سی شے کے جسے بلالؓ کی بغل چھپا لیتی تھی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تو آپؐ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے اور حضرت بلالؓ کے ساتھ کھانا صرف اتنا تھا جسے وہ اپنی بغل میں دبائے ہوئے تھے۔ (ترمذی)

حضورؐ نے زبان پاک کی ہمیشہ حفاظت فرمائی۔ نہ کسی کی بُرائی کرنا پسند تھا نہ سُننا۔ چغلی سخت ناپسند تھی۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی بُرائی بیان کی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند (

کہ میں کسی کی برائی بیان کروں چاہے (اس کے بدلے) مجھے یہ ملے اور یہ ملے (یعنی بہت کچھ ملے) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (ترمذی)

ایسے ہی حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ میں سے کوئی ایک دوسرے کی بات مجھ تک نہ پہنچایا کرے۔ کیونکہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں کے پاس آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے) صاف اور بے روگ ہو۔ (ابوداؤد)

حضورؐ طبعاً نرم مزاج تھے اور دوسروں کے معاملے میں حتی الامکان نرمی ہی کو پسند فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ نماز پڑھاتے ہوئے بھی یہ بات پیش نظر رہتی کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔

حضرت ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اسے طول دوں (یعنی لمبی قراءت کروں) مگر پھر میں (نماز پڑھنے والی عورتوں میں سے کسی کے) بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز میں اختصار سے کام لیتا ہوں (یعنی قراءت زیادہ لمبی نہیں کرتا۔ کیونکہ) مجھے یہ ناپسند ہوتا ہے کہ اس کی ماں کی تکلیف کا باعث بنوں۔ (بخاری)

اپنے رتبے کی بلندی اور اپنی برگزیدگی کے باوجود آپؐ کی خوش اخلاقی، تواضع اور انکسار کا یہ عالم تھا کہ۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں کی عیادت فرمایا کرتے تھے اور جنازوں میں شرکت فرماتے تھے۔ اور گدھے کی سواری کر لیتے تھے۔ اور غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ ۔ ۔

(شمائل ترمذی)

اور حضرت عبداللہؓ بن بُسر بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ایک بکری تحفہ بھیجی گئی۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم گھٹنوں کے بل بیٹھے کھا رہے تھے۔ اس پر ایک بدو نے کہا کہ یہ کیا بیٹھنا ہے (یعنی بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے) حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے ایک خلیق بندہ بنایا ہے۔ مغرور اور جان بوجھ کر حق کو نہ ماننے والا نہیں بنایا۔ (ابن ماجہ)

آپؐ اتنے خلیق تھے کہ

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے (کوئی راز کی بات کہنے کے لئے) رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کان کے ساتھ منہ لگایا ہو اور حضورؐ نے (اس کی طرف سے) اپنا سر پھیر لیا ہو جب تک کہ وہ شخص (اپنی بات پوری کر کے) خود ہی (حضورؐ کی طرف سے) اپنا سر نہ پھیر لے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے حضورؐ کا دست مبارک پکڑا ہو اور حضورؐ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ہو، جب تک کہ وہ شخص خود ہی حضورؐ کا ہاتھ نہ چھوڑ دے۔ (ابوداؤد)

طبع مبارک میں نفاست اور صفائی پسندی بہت زیادہ تھی۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے ایک پریشان بالوں والے شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے (پریشان) بالوں کو درست کرے۔ اور حضورؐ نے ایک اور شخص دیکھا جو میلے کچیلے کپڑے پہنے تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا اسے وہ چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے دھولے۔ (ابوداؤد)

اگرچہ انسان اپنے اعمال کے لئے فی الحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے آگے جواب

وہ ہے۔اور اسی کے ساتھ معاملہ صاف رکھنا ضروری ہے۔ تاہم اس بات کا دھیان بھی رکھنا چاہیئے کہ انسان ایسے مقامات سے بچے جہاں کسی شبہے کا اندیشہ ہو حضورؐ نے اس احتیاط کو پسند فرمایا ہے جیسے کہ ذیل کی حدیث سے ظاہر ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ جہاں انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے معاملے میں بدگمانی سے کام لینے سے بچے وہاں ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ حتی الامکان ایسی صورت حالات نہ پیدا ہونے دے جس کے باعث دوسروں کو بدگمانی کرنے کا موقع مل جائے اور اگر کبھی کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے خطرہ ہو کہ کوئی بدگمان ہو جائے گا۔ تو حتی الامکان اس کی صفائی کر دی جائے تاکہ دوسروں کے بدگمان ہونے کی نوبت نہ آئے۔

اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ رمضان کے آخری عشرے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے مسجد میں معتکف ہونے کے دوران میں آپؐ کی زیارت کے لیے آپؐ کے پاس آئیں۔ انہوں نے آپؐ کے پاس (بیٹھ کر) تھوڑی دیر گفتگو کی پھر واپس آنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم بھی ان کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے تاکہ انہیں پہنچا دیں۔ یہاں تک کہ جب وہ مسجد کے اس دروازے تک پہنچیں جو (اُمّ المومنین) حضرت اُمّ سلمہؓ کے دروازے کے پاس تھا۔ تو انصار میں سے دو مرد گزرے۔ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو سلام کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا کہ تم دونوں ذرا ٹھہر جاؤ (جان لو کہ) یہ صفیہ بنت حُیَیّ ہیں۔ (جو میری بیوی ہیں) ان دونوں کو یہ بات شاق گزری (کہ حضورؐ نے اس وضاحت کی ضرورت کیوں محسوس کی) وہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ یا رسولؐ اللہ (مراد یہ تھی کہ ہم بھلا خدانخواستہ آپؐ کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہو سکتے تھے) اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ شیطان انسان کے جسم میں اس طرح پھرتا

ہے جیسے خون پھرتا ہے لہٰذا مجھے خوف پیدا ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کردے (اس لیے میں نے یہ وضاحت ضروری سمجھی) (بخاری)

رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے زندگی کے بارے میں جو تعلیمات دیں ان کی رو سے یہ دنیوی زندگی کھیل تماشا نہیں بلکہ ایک سنجیدہ شے ہے جسے بہت احتیاط اور سمجھ داری سے گزارنے کی ضرورت ہے اور نہ یہ ہماری ہمیشہ کی زندگی کو جہنم بھی بنا سکتی ہے تاہم حضورؐ کوئی زاہد خشک نہ تھے کہ زندگی کی جائز دلچسپیوں سے بھی تعلق نہ رکھتے ہوں اور ہر وقت بھاری بھرکم اور ڈرانے والی باتیں ہی کرتے ہوں۔

حضورؐ کے صحابہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ میں ظرافت بھی موجود تھی اور آپؐ ہنسی کی باتیں بھی کرتے تھے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سواری مانگی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ (اچھا) ہم تمہیں اونٹنی کا ایک بچہ سواری کے لیے دے دیں گے۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میں اونٹنی کے بچہ کو کیا کروں گا (وہ میرا بوجھ کیا اٹھائے گا) اس پر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ہر اونٹ اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے۔ (شمائل ترمذی)

حضورؐ کے اخلاق عالیہ کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں یہ بڑا مختصر سا بیان ہے۔ یہ داستان تو اتنی لمبی اور اتنی پرکشش ہے کہ فی الحقیقت اس کے لیے ایک ضخیم تالیف کی ضرورت ہے۔ اس مختصر بیان کو ایک ایسی روایت پر ختم کیا جاتا ہے جس میں حضورؐ کے اخلاق کے ایک خاص پہلو کو واضح کیا گیا ہے۔

(کاتب وحی) حضرت زیدؓ بن ثابت کے صاحبزادے خارجہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت زیدؓ بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں بتائیے حضرت زیدؓ بن ثابت نے فرمایا کہ میں تمہیں کیا باتیں بتاؤں۔ میں حضورؐ کا ہمسایہ تھا جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی آپ مجھے بلا بھیجتے اور میں آپؐ کو وہ لکھ دیتا (حضورؐ ہم میں کوئی انوکھے بن کر نہیں رہتے تھے۔ بلکہ ہماری ہر طرح کی گفتگو میں حصہ لیتے تھے) جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپؐ بھی ہمارے ساتھ مل کر اس کا ذکر کرتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپؐ ہمارے ساتھ مل کر آخرت کا ذکر کرتے اور جب ہم (کھانے پینے) کا تذکرہ کرتے تو آپؐ بھی ہمارے ساتھ مل کر اس کا تذکرہ کرتے (غرضکہ آپؐ ہماری ہر طرح کی گفتگو میں شریک ہوتے) اور یہ سب کچھ جو میں تم لوگوں کو بتا رہا ہوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حالات ہیں۔ (شمائل ترمذی)

اس حدیث میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے ایک ایسے پہلو کو واضح کیا گیا ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے خصوصًا ایک رہنما کے لئے وہ یہ کہ عام لوگوں کے ساتھ اس طرح مل جل کر رہا جائے اور ان کی ہر قسم کی جائز گفتگو میں اس طرح شرکت کی جائے کہ انہیں اجنبیت کا احساس نہ ہونے پائے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو ایک ایسی طرز زندگی سے روشناس کرایا تھا جو ان کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ وہ بت پرست تھے۔ حضورؐ نے انہیں خدائے واحد کی تعلیم دی ان کا آخرت کا عقیدہ بالکل واضح نہ تھا۔ حضورؐ نے انہیں بڑی وضاحت سے آخرت سے واقف کرایا۔ وہ شراب خوری اور جوا بازی کے نہ صرف عادی تھے بلکہ ان

مذموم افعال کو ذریعۂ فخر گردانتے تھے۔ حضورؐ نے ان چیزوں کو حرام قرار دے کر انہیں ان کی زندگیوں سے نکال دیا۔ وہ عورت کو حقیر سمجھتے تھے۔ اور بیٹی پیدا ہونے پر اُسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ حضورؐ نے عورتوں کے حقوق قائم کئے اور انہیں ماؤں کا احترام، بیویوں سے حسن سلوک اور بیٹیوں بہنوں سے شفقت کرنے کا درس دیا۔ ان کی پوری اجتماعی زندگی بت پرستانہ نظام کے گرد گھومتی تھی۔ حضورؐ نے توحید کو ان کا بنیادی عقیدہ قرار دے کر توحید کو ان کے نظام زندگی کا محور بنا دیا۔ مگر اس درجہ اجنبی نظام کو رائج کرتے ہوئے عام معاملات میں حضورؐ نے ان سے اتنی اپنائیت کا سلوک کیا اور ہر جائز امر میں اس طرح ان کا ساتھ دیا۔ اور ہر جائز معاملے میں اس طرح ان کے درمیان ان جیسے بن کر رہے کہ ان کے دل آپؐ کی محبت سے معمور تھے۔ اور وہ سو جان سے آپؐ پر فدا تھے۔

جو لوگ خدا کے دین کو خدا کی مخلوق تک پہنچانے کے معزز کام کو مقصدِ زندگی بنانے کے خواہش مند ہوں ان کے لئے اس روایت میں بڑا قیمتی سبق ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ

(اے خدا ہمیں اشیاء کی حقیقتیں اس طرح دکھا جیسی کہ وہ ہیں)"

جناب رسول مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک معزز فریضے کو سرانجام دینے کے لئے، ایک محدود مدت کے لئے، اس دنیا میں تشریف لائے پھر جب وہ معزز فریضہ سرانجام دیا جا چکا، اور وہ محدود مدت ختم ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو واپس بلا لیا۔ مگر جو لوگ آپؐ کے مبارک دور میں آپؐ کے پیرو بنے اور جو اس کے بعد سے لے کر آج تک آپؐ کے پیرو بننے کے دعوے دار رہے ہیں، اور جو آئندہ قیامت تک آپؐ کے پیرو بننے کے دعویدار رہیں گے، ان کے کندھوں پر مجموعی طور پر ایک بھاری ذمہ داری ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان عقائد و اعمال کے مطابق ڈھالیں جو حضورؐ نے سکھائے تھے اور اس پیغام کو اہلِ دنیا تک پہنچاتے رہیں جو دے حضورؐ کو بھیجا گیا تھا تاکہ خدا کی مخلوق خدا کی رحمت کی مستحق ہو جائے۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس تمام دوران میں ایسے لوگ بھی رہے ہیں، اور اب بھی ہیں، جنہوں نے اپنے اس فرض منصبی کو پورے طور پر پہچانا اور جسم و جان کی تمام قوتوں سے کام لے کر اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے مگر دوسری طرف بے شمار ایسے بھی گزرے ہیں، اور اب بھی موجود ہیں جنہیں سرے سے اس بات کا احساس ہی نہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنا خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو بننے کا دعویٰ کرنا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو بننے کا دعویٰ کرنے سے یہ ذمہ داری بھی عائد ہو جاتی ہے کہ انسان خود بھی آپؐ کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرے اور امکان کی حد تک اسے دوسروں تک پہنچانے کی کوشش بھی کرتا رہے

عاشقِ رسولؐ حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لَآ اِلٰہَ

یعنی جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں لرز جاتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ لَآ اِلٰہَ کہنے سے پھر کتنی مشکل ذمہ داریاں اٹھانی پڑ جاتی ہیں۔

پھر تاریخ اور مشاہدہ یہ بھی واضح کئے دیتے ہیں کہ جب کبھی بھی اور جہاں کہیں بھی، مسلمان افراد اور مسلمان گروہوں نے اپنی ان ذمہ داریوں کو پہچانا وہ آخرت کے اعزاز و اکرام کے بھی مستحق ہوئے اور انہیں دنیا میں بھی عزت اور سربلندی حاصل ہوئی۔ بہ حیثیت فرد ان کا کردار اتنا بلند ہو گیا کہ دشمنانِ دین بھی ان کا احترام کرنے پر مجبور ہو گئے اور بہ حیثیت ملت انہیں وہ قوت اور کشش حاصل ہوئی کہ دوسرے مذاہب اور ملتوں کے اچھے اچھے دل

دماغ بھی کٹ کٹ کر ان میں آکر ملتے اور ان کی طاقت بڑھانے کا ذریعہ بنتے رہے ۔

اس کے برعکس جب کبھی بھی ، اور جہاں کہیں بھی ، مسلمان افراد یا مسلمان گروہوں نے ان ذمہ داریوں کو نظر انداز کیا اُن کا کردار اتنا گھٹیا ہو گیا کہ آخرت کے عذاب کے مستحق ہونے کے علاوہ وہ دنیا میں بھی ذلت و خواری کا شکار ہو گئے ، اور ان کے بہت سے اچھے اچھے دل و دماغ اگر علانیہ طور پر دوسرے مذاہب اور ملتوں کا حصہ بننے کی جرأت نہ بھی کر سکے تو بھی دوسروں سے بے پناہ متاثر ہو جانے ، اور بسا اوقات ان کے آلۂ کار بن جانے ، کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ کے لیے دشمنوں سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئے ۔

یہ نقصان کا سودا کیوں کیا گیا ؟

اس لیے کہ دل و دماغ میں وہ حقیقت شناسی نہ رہی جو نفع کا سودا کرنے کی طرف رہنمائی کرتی ۔

حقیقت یہ ہے کہ فرد کا معاملہ ہو یا ملت کا ، ہماری بہت سی خطاؤں ، بہت سے دکھوں ، بہت سی الجھنوں ، بہت سی ناکامیوں اور بہت سے خساروں کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہمیں اشیاء اس طرح نظر نہیں آتیں جیسی وہ درحقیقت ہوتی ہیں :

ایک شے ہمیں آرام دینے والی نظر آتی ہے ، درحقیقت اس نے ہمیں بے آرامی دینی ہوتی ہے ۔

ایک شے ہمیں مشکل نظر آتی ہے ۔ درحقیقت اس نے ہماری زندگی میں آسانیاں لانی ہوتی ہیں ۔

ایک شے کو ہم اپنے لیے باعثِ ذلت سمجھتے ہیں ۔ درحقیقت

ہمیں عزت دلاتی ہوتی ہے۔

اور ایک شے کو ہم باعث عزت سمجھ لیتے ہیں اور درحقیقت اس نے ہماری ذلت پر مہر لگائی ہوتی ہے۔

ایک شے کو ہم اپنی شکست سمجھتے ہیں اور درحقیقت وہ ہماری فتح ہوتی ہے۔

اور ایک شے کو ہم اپنی فتح سمجھ لیتے ہیں اور درحقیقت وہ ہماری فاش شکست ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ہم عزت کے پیچھے دوڑتے ہوئے ذلت کے انبار سمیٹ لیتے ہیں۔

عیش و آرام حاصل کرنے کے لئے وہ کچھ کرنے لگتے ہیں جن سے زندگی بے آرامی اور اذیتوں کی آماج گاہ بن جاتی ہے۔

اور فتح کے اشتیاق میں ایسی راہوں پر چل پڑتے ہیں جو ہمیں شکست کے گڑھے میں جا گراتی ہیں۔

عموماً اس کی تہہ میں یہی سبب کارفرما ہوتا ہے کہ ہم اشیاء کو صرف ان کے ظاہر سے دیکھتے ہیں۔ ان کی حقیقتوں تک ہماری نگاہ نہیں جاتی۔ زندگی کے گوناگوں معاملات میں سے صرف چند ہی پر غور کر کے دیکھ لیں تو واضح ہو جائے گا کہ کس طرح حقائق کو نہ پہچان سکنے کے باعث ہم ان راہوں پر چل نکلتے ہیں جو ہمیں منزل مقصود تک پہنچانے کے بجائے کسی اور ہی طرف لے جاتی ہیں۔

۱۔ مثال کے طور پر ہمیں اولاد کا مستقبل بہت عزیز ہوتا ہے۔ ہم تمنا رکھتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے عہدے حاصل کریں، خوش حالی کی زندگی گذاریں اور ہر قسم کی پریشانی، غم و الم اور اضطراب سے محفوظ رہیں۔ پھر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہم انہیں علوم سکھاتے ہیں اور ان کے لیے دولت

اکٹھی کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ علوم انہیں عہدے دلائیں گے۔ دولت انہیں خوش حالی دے گی۔ لہٰذا وہ اضطراب اور غم والم سے بچے رہیں گے۔ اس تمام دوران میں انہیں نیکی اور بدی کی پہچان کرانے، ان کے دلوں میں خدا اور رسولؐ کی محبت پیدا کرنے، اور انہیں آخرت کی تیاری کی طرف توجہ دلانے کی طرف شاذ ہی ہمارا دھیان جاتا ہے۔ ہمارا خیال ہوتا ہے کہ علوم کا حصول اور دولت کی بہتات ہی ہمارا مقصد پورا کر دے گی۔ حالانکہ دنیاوی علم کی زیادتی اور دولت کی بہتات کے ساتھ اگر نیکی بدی کی پہچان، خدا و رسولؐ کی محبت اور آخرت کی کامیابی کی خواہش موجود نہ ہو تو علم اور دولت نہایت آسانی سے گمراہی اور عیاشی کے دروازوں تک لے جاتے ہیں اور اس بات کا پورا خطرہ موجود ہوتا ہے کہ عہدوں اور دولت کی موجودگی میں بھی ہماری اولاد کا مستقبل غم و اضطراب کا لقمہ بنا رہے۔

۲۔ اولاد کے مستقبل کا خیال تو عموماً سب والدین کو ہوتا ہے مگر بوڑھے والدین کے حقوق ادا کرنے کا خیال سب کو نہیں ہوتا۔ تاہم ہم میں سے جن کو اس کا کچھ احساس ہوتا ہے وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ بوڑھے والدین کی مادی ضروریات پوری کر دینے سے ان کا حق ادا ہو جائے گا۔ حالانکہ والدین کو بڑھاپے کے تپتے ریگستان میں سے گزرتے ہوئے جس آسائش کی سب سے زیادہ تمنا ہوتی ہے وہ جوان اولاد کی رفاقت اور صحبت ہے۔ ان کا جی چاہتا ہے کہ ان کے بچے ان کے پاس بیٹھیں، ان کے دل کی باتیں سنیں، انہیں اپنی باتیں سنائیں، زندگی کے معاملات میں ان سے مشورے لیں، اور ان کی دلداری کریں۔ یعنی وہ اولاد سے ان کے

وقت اور توجہ اور محبت کے طلب گار ہوتے ہیں اور اولاد یہ سمجھتی ہے کہ ان کی مادی ضروریات پوری کر کے اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے حالانکہ جہاں مادی ضروریات پوری کرنے کا فکر نہیں ہوتا وہاں جذباتی محرومی کو محسوس کرنے کے لئے اور بھی زیادہ وقت مل جاتا ہے۔

۴۔ ایسے ہی بسا اوقات کسی شخص کو اپنے کسی خاص نظریے کے معاملے میں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ہم اُس کے ساتھ بحث شروع کر دیتے ہیں اور پھر اس بحث کو چلاتے چلاتے کج بحثی کے میدان میں لا اتارتے ہیں پھر اگر اپنے زورِ بیان یا دلائل کی قوت سے ہم اس شخص کو لاجواب کر ہی دیں تو خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم جیت گئے حالانکہ اگر ہمارا مقصد ذوقِ فضول کی تسکین کرنا نہیں بلکہ واقعی اس شخص کو اپنا ہم خیال بنانا تھا۔ تو اسے لاجواب کر کے ہم جیتے نہیں بلکہ بُری طرح ہارے ہیں۔ کیونکہ ہماری اس بھونڈی فتح نے تو اُسے درحقیقت اپنے نظریے پر اور بھی زیادہ پختہ کر دیا ہے۔ پہلے تو شاید وہ معصومیت سے اسے اپنائے ہوئے تھا۔ مگر اب احساسِ شکست اور ضد کے باعث وہ اور بھی زیادہ اس کا حامی ہو جائے گا۔

انہیں چند مثالوں پر زندگی کے اور بہت سے دوسرے معاملات کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ہم خوشی، سکون، کامیابی، عزت اور آرام چاہتے ہیں لیکن اشیاء کی حقیقتوں سے واقف نہ ہونے کے باعث بسا اوقات اپنے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ایسے اعمال و افعال کو اختیار کر لیتے ہیں جو ہمیں ہمارے ان مقاصد کے حصول سے اور بھی زیادہ دور لے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم مشقت بھی اٹھاتے ہیں مگر جو کچھ حاصل کرنے کے لئے مشقت اٹھاتے

میں وہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ یہی شئے ہے جس نے انسان کو "خسارہ اٹھانے والا" بنا کر رکھ دیا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ نے اپنی جس مخلوق کو دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے وہ اسے اتنی عزیز ہے کہ اس کا خسارے کا شکار ہوجانا اُسے قطعی پسند نہیں۔ لہٰذا اس نے اس بات کا پورا بندوبست فرمایا ہوا ہے کہ ان اشیاء کی طرف اس کی رہنمائی کر دے جو فی الحقیقت اسے خوشی، سکون، کامیابی، عزت اور آرام دینے والی ہیں۔ تاکہ وہ ان اشیاء سے بچ جائے جو بظاہر کامیابی دلانے والی نظر آتی ہیں مگر درحقیقت ناکامی کا شکار بنا دینے والی ہوتی ہیں۔ یہ بندوبست اس رؤف و رحیم نے اس طرح فرمایا کہ وہ انبیاء کے ایک لمبے سلسلے کے ذریعے اپنی مخلوق کو ہدایت بہم پہنچاتا رہا۔ یہاں تک کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے، اس ہدایت کی تکمیل فرما دی۔

امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ روایت پہنچی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک تم انہیں تھامے رہوگے، تم گمراہ نہیں ہوگے۔

(ایک) اللہ کی کتاب اور (دوسری) اس کے نبی کی سنت۔ (موطّا)

سنت کا مطلب ہے طریقہ، اور اصطلاح میں سنت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ہدایت دینے کے لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قرآن پاک نازل فرمایا اور حضورؐ نے اس پاک کتاب کے احکام کے مطابق زندگی گزار کر لوگوں کو دکھایا کہ صحیح زندگی یوں گزاری جاتی ہے۔ لہٰذا زندگی کے ہر ہر پہلو میں حضورؐ نے جو جو طریقہ اختیار کیا وہ آپؐ کی سنت ہے اور ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ آپؐ کی سنت

کی پیروی اختیار کرے۔ یعنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے معاملے میں وہ طریقے اختیار کرے جو حضورؐ نے کئے تھے۔

خدا کی کتاب اور حضورؐ کی سنت نے ہمیں وضاحت سے بتا دیا ہے کہ وہ کونسی اشیاء ہیں جو فی الحقیقت ہمارے لئے نفع بخش ہیں اور وہ کونسی ہیں جنہوں نے ہمیں نقصان پہنچانا ہے یہ کام ہمارے اپنے دل و نگاہ کے بس کا نہ تھا۔ کیونکہ انسانی نگاہ عموماً اشیاء کے ظاہر میں الجھ کر رہ جاتی ہے اور ان کی حقیقتوں تک نہیں پہنچ پاتی۔ ذیل کی چند مثالوں پر غور کر لینے سے یہ حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسانی نگاہ فی الواقع محدود ہوتی ہے۔

۱۔ اپنی ظاہر بینی کے باعث ہمیں بظاہر جو کچھ نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ و خیرات دینے سے پیسہ کم ہوتا ہے اور سود لینے سے پیسہ بڑھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے کہ

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرہ ۲۷۶)

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

مراد یہ ہے کہ جو کچھ بظاہر نظر آتا ہے اس کے برعکس فی الحقیقت سود لینے سے مال گھٹتا ہے اور راہ خدا دینے سے بڑھتا ہے۔

اس آیت میں ایک ایسی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے جو اخلاقی اور روحانی حیثیت سے بھی بالکل حق ہے اور معاشی اور تمدنی حیثیت سے بھی اخلاقی اور روحانی حیثیت سے دیکھا جائے تو جو شخص اپنی ضروریات پوری کر کے اپنے بقیہ مال کو خدا کے حاجت مند بندوں کی ضروریات کو پورا کرنے پر یا خدا کے دین کو پھیلانے پر، یا اور کسی ایسے ہی کام پر صرف کرتا ہے جس سے مقصود خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے، اس کی روح پاک ہوتی ہے۔ اس کے دل

سے دولت کی حرص کم ہوتی ہے اور اس کا دل بُخل، کنجوسی، تنگ دلی، سنگدلی اور دوسری ایسی ہی اور بیماریوں سے بچا رہتا ہے جو حرصِ زر کی پیداوار ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس ایک سودخور شخص جس نے مفلسوں کی مفلسی پر ترس کھانے کے بجائے اسے اپنا مال بڑھانے کا ذریعہ بنا رکھا ہو، اتنا خودغرض، تنگ دل اور سنگدل ہوجاتا ہے کہ اپنے غریب قرض داروں کے جسموں سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لینے سے دریغ نہیں کرتا۔

معاشی لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو جس معاشرے میں لوگ بے غرضانہ ایک دوسرے کی مالی امداد کو تیار رہتے ہوں گے۔ اس میں ضرورت مندوں کی ضروریات پوری ہوتی رہیں گی۔ اس سے معاشرے کے امن و سکون کو تقویت ملے گی، مختلف طبقات کے درمیان باہمی الفت و محبت قائم ہو گی۔ اور دولت مختلف طبقات کے درمیان گردش کرتی رہے گی جس سے معاشرہ بہ حیثیت مجموعی خوش حال ہو گا۔ اور معاشرے کی یہ خوشحالی انجام کار افراد کی خوش حالی پر بھی اثر ڈالے گی۔

اس کے برعکس جس معاشرے میں سودخوری کا چلن ہوگا اور جہاں لوگ اس وقت تک کسی کی مدد کو تیار نہ ہوں گے جب تک انہیں اس مدد کے ذریعے خود اپنے مال کے بڑھ جانے کی ضمانت نہ مل جائے، وہاں دولت سارے معاشرے میں گردش کرتے رہنے کے بجائے معاشرے کے ایک حصے میں جمع ہونی شروع ہو جائے گی۔ اس سے امیر امیر تر ہوتے جائیں گے اور اکثریت مفلسی کا شکار ہوتی چلی جائے گی۔ لہٰذا یہ معاشرہ بہ حیثیت مجموعی بدحال ہوگا۔ چاہے اس کا ایک چھوٹا سا حصہ کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو۔

پھر اس معاشرے کا بہ حیثیت مجموعی بدحال ہونا انجام کار اس کے خوش حال افراد

پر بھی ہزار اقسام کے اثرات ڈال کر رہے گا۔

۲۔ ایسے ہی اپنی ظاہر بینی کے باعث ہم یہی سمجھتے ہیں کہ اب زمانہ ایسا آ لگا ہے کہ برائی کو دبانے کے لئے برائی ہی سے کام لینا ہو گا۔ اگر کسی نے ہمارے ساتھ برائی کی اور ہم نے جواباً اس کے ساتھ اچھائی کی تو وہ اسے ہماری کمزوری پر محمول کرتے ہوئے ہمارے ساتھ اور بھی زیادہ برائی کرنے پر دلیر ہو جائے گا۔ لیکن خدا کے پاک کلام میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ

(حٰمٓ السجدہ ۳۴)

اور (اے نبیؐ) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اُس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

"پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں یعنی بظاہر تمہارے مخالفین بدی کا کیسا ہی خوفناک طوفان اٹھا لائے ہوں جس کے مقابلے میں نیکی بالکل عاجز اور بے بس محسوس ہوتی ہو لیکن بدی بجائے خود اپنے اندر وہ کمزوری رکھتی ہے جو آخرکار اس کا بھٹہ بٹھا دیتی ہے۔ کیونکہ انسان جب تک انسان ہے اس کی فطرت بدی سے نفرت کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بدی کے ساتھی ہی نہیں خود اس کے علمبردار تک اپنے دلوں میں یہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں، ظالم ہیں، اور اپنی اغراض کے لیے ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں۔

یہ چیز دوسروں کے دلوں میں ان کا وقار پیدا کرنا تو درکنار انہیں خود اپنی نظروں سے گرا دیتی ہے۔ اور ان کے دلوں میں ایک چور بیٹھ جاتا ہے جو ہر مخالفانہ اقدام کے وقت ان کے عزم و ہمت پر اندر سے چھاپہ مارتا رہتا ہے۔ اس بدی کے مقابلے میں وہی نیکی جو عاجز اور بے بس نظر آتی ہے۔ اگر مسلسل کام کرتی چلی جائے تو آخر کار وہ غالب آکر رہتی ہے کیونکہ اول تو نیکی میں بجائے خود ہی ایک طاقت ہے جو دلوں کو مسخر کرتی ہے اور آدمی خواہ کتنا ہی بگڑا ہوا ہو اپنے دل میں اس کی قدر محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر جب نیکی اور بدی آمنے سامنے مصروف پیکار ہوں اور کھل کر دونوں کے جوہر پوری طرح نمایاں ہو جائیں، ایسی حالت میں تو ایک مدت کی کشمکش کے بعد کم ہی لوگ ایسے باقی رہ سکتے ہیں جو بدی سے متنفر اور نیکی کے گرویدہ نہ ہو جائیں۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ بدی کا مقابلہ محض نیکی سے نہیں بلکہ اس نیکی سے کرو جو بہت اعلیٰ درجے کی ہو۔ یعنی کوئی شخص تمہارے ساتھ برائی کرے اور تم اسے معاف کردو تو یہ محض نیکی ہے۔ اعلیٰ درجے کی نیکی یہ ہے کہ جو تم سے برا سلوک کرے تم موقع آنے پر اس کے ساتھ احسان کرو۔ پھر اس کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ بدترین دشمن بھی آخر کار جگری دوست بن جائے گا۔ اس لیے کہ یہی انسانی فطرت ہے۔ گالی کے جواب میں آپ خاموش رہ جائیں تو بے شک یہ ایک نیکی ہوگی۔ مگر (لبسا اوقات) گالی دینے والے کی زبان کو بند نہ کر سکے گی لیکن اگر آپ گالی کے جواب میں دعائے خیر کریں تو بڑے سے بڑا بے حیا

مخالفت بھی شرمندہ ہو کر رہ جائے گا۔ اور پھر مشکل ہی سے کبھی اس کی زبان آپ کے خلاف بد کلامی کے لئے کھل سکے گی۔ کوئی شخص آپ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ دیتا ہو اور آپ اس کی زیادتیوں کو برداشت کرتے چلے جائیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی شرارتوں پر اور زیادہ دلیر ہو جائے۔ لیکن اگر کسی موقع پر اُسے نقصان پہنچ رہا ہو اور آپ اُسے بچالیں تو وہ آپ کے قدموں میں آ رہے گا۔ کیونکہ کوئی شرارت مشکل ہی سے اس نیکی کے مقابلے میں کھڑی رہ سکتی ہے" (تفہیم القرآن)

بلاشبہ ایسے بد فطرت لوگ بھی ہوتے ہیں جو احسان کے جواب میں بھی برائی کرنے سے باز نہ آئیں مگر ایسے شریر لوگ اتنے کم ہوتے ہیں کہ احسان سے متاثر ہو جانے والے لوگوں کے مقابلے میں ان کی تعداد گویا نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ ہمارے نظریّے کے برعکس کلام پاک کا فرمان یہ ہے کہ برائی کے مقابلے میں اعلیٰ درجے کی نیکی کرنے سے فی الحقیقت برائی ہار مان لیتی ہے۔

۴۔ ایسے ہی بعض لوگ بزعم خود بہت زیادہ مصروف ہونے کے باعث یہ گمان رکھتے ہیں کہ روزانہ پانچ مرتبہ وضو کرنے اور نماز پڑھنے پر بہت زیادہ وقت خرچ ہوتا ہے۔ اور آج کل کی مصروف زندگی میں سے اتنا وقت نکالنا محال ہے مگر کلام پاک میں نماز کے متعلق جو ارشادات ملتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ	یقیناً نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

(العنکبوت ۴۵)

اب ذرا غور کیجئے کہ جو لوگ فحش اور بُرے کاموں کے عادی ہو جاتے ہیں ان کی زندگی کا کتنا کثیر وقت ان گناہوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ پھر فحش اور بُرے کاموں کا خاصا یہ بھی ہے کہ وہ طرح طرح کے امراض اور انواع و اقسام کی بے چینیاں اور مصیبتیں لانے کا ذریعہ بھی بن جاتے ہیں اور یہ امراض اور مصیبتیں بھی انسانی زندگی کا بہت سا وقت نگل لیتی ہیں۔

پھر اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھئے کہ وضو کی پابندی انسان کو پاکیزگی اور صفائی کی عادت ڈال کر اس کی صحت پر گہرا اثر ڈالتی ہے اور اسے بہت سی بیماریوں سے بچا لیتی ہے اور نماز کی پابندی سے انسان کے کاموں میں جو نظم و ضبط اور ترتیب پیدا ہوتی ہے اس سے بھی اس کا کافی وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔

اب اس وقت کا اندازہ لگایئے جو فحش اور بُرے کاموں پر صرف ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس وقت کو بھی ملایئے جو فحش اور بُرے کاموں سے پیدا ہونے والے امراض اور مصیبتوں پر صرف ہوتا ہے اور پھر غور کیجئے کہ نماز جو انسان کو فحش اور بُرے کام کرنے سے روک دیتی ہے وہ درحقیقت انسان کی زندگی کا کتنا زیادہ وقت بچانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

پھر اس طرح بچے ہوئے وقت کے ساتھ اس وقت کو بھی ملایئے جو بیماریوں پر صرف ہونا تھا مگر وضو کی پابندی کے باعث ان بیماریوں سے محفوظ رہنے کی وجہ سے بچ گیا ہے اور اس کے ساتھ اس وقت کو بھی ملا لیجئے جو اس لئے بچ گیا ہے کہ نماز نے زندگی میں نظم و ضبط اور ترتیب قائم کر دی تھی۔

اب غور کیجئے کہ جس فریضے کے بارے میں ظاہر بین نگاہ رکھنے والوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ بہت زیادہ وقت لیتا ہے وہ درحقیقت کتنے زیادہ وقت

کے بچ جانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

انہیں چند مثالوں پر قرآن و سنت کے دوسرے احکام کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے جس شخص نے بھی آپؐ کی چھوڑی ہوئی ان دونوں چیزوں کو تھامے رکھا وہ انجام کار شاد و بامراد ہوا۔ عاشقِ رسولؐ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

کامیاب زندگی گزارنے کے لیے کامیاب موت سے ہمکنار ہونے کے لیے اور آخرت کی دائمی کامیابی حاصل کرنے کے لیے یہ "یقین محکم" اولین قدم ہے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ محکم یقین رکھے کہ جن اشیاء (یعنی عقائد و اعمال) کا خدا کی کتاب نے حکم فرمایا اور نبیؐ کی سنت نے ان کی تشریح کی، وہ ہماری ظاہر بین نگاہ کو جیسی بھی نظر آتی ہوں، ان کی اصل حقیقت یہی ہے کہ وہ کامیابی کی ضمانتیں ہیں۔ یہ محکم یقین اسے ان اشیاء سے وابستہ رکھے گا۔ اور یہ وابستگی انجام کار اسے کامیاب و کامران کرے گی۔

پھر صورت حالات کا ایک اور پہلو بھی ہے جو بہت زیادہ غور و فکر کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ یہ کہ خدائے بزرگ و برتر نے تو کامیاب زندگی گزارنے کا ایک طریقہ بتا دیا۔ اور خدا کے برگزیدہ نبیؐ نے اس طریقے کے مطابق زندگی گزار کر دکھا دی، اور دین کے فاضل اور درد مند علماء نے اس زندگی کو کتابوں میں محفوظ کر کے اسے آئندہ نسلوں تک پہنچا دیا۔ لیکن صدہا سالوں کی بے عملی اور دین سے لاپرواہی نے مسلمانوں کو زندگی کے میدان میں اتنا پیچھے کر دیا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کی عملی جد و جہد نے انہیں زندگی کے میدان میں اتنا آگے

بڑھا دیا ہے کہ احساسِ شکست کی شدت کے باعث ہماری اکثریت کو تو اب اسی میں خیر نظر آتی ہے کہ جس طرف بھی وہ مادی طور پر کامیاب لوگ چلے جا رہے ہیں آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے پیچھے چلتے چلے جائیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی ذہنیت رکھنے والوں کے لیے تو خود بھی خدا و رسولؐ کے احکام کی پیروی کرنا محال ہے کجا یہ کہ وہ خدا کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری کا احساس کریں۔

باقی رہے وہ لوگ جو ان سخت حالات میں بھی اپنے شجر سے پیوستہ رہنا چاہتے ہیں اور اپنے فرض منصبی کو پہچانتے ہوئے اپنے آپ کو اسلام کے احکام کے مطابق ڈھالنے اور اہل دنیا کو خدا کا پیغام پہنچانے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں، تو بدلے ہوئے حالات نے اُن کے لئے بھی اس مقصدِ حیات کو ایک کٹھن مہم بنا کر رکھ دیا ہے کیونکہ مسئلہ صرف غیر مسلموں تک اسلام پہنچانے ہی کا نہیں بلکہ خود مسلمان کہلانے والوں کو اس پر آمادہ کرنے کا بھی ہے کہ وہ صرف مسلمان کہلائیں ہی نہیں بلکہ مسلمان بنیں بھی، اور یہ دوسرا کام بھی پہلے کام سے کم مشکل نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات یہ مسلمان کہلانے والے غیر مسلموں سے بھی زیادہ مخالف اسلام ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں ایسے "خرد مند" بھی موجود ہیں جو کلام الٰہی کے سیدھے سادے اور واضح احکام کو بھی "ملّا کا دین" قرار دیکر ان کی مخالفت کرنے کو بہت بڑی قومی خدمت شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا اس ذہنیت کی موجودگی میں انہیں اسلامی احکام کی اصل حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا اور انہیں قبول کرنے پر آمادہ کرنا بعض اوقات اتنا ہی مشکل ہو جاتا ہے جتنا غیر مسلموں تک اسلام پہنچانا۔

پھر حالات کے بہت زیادہ بدل جانے کے باعث مسلمان کہلا-

والوں کو اسلامی احکام کو عملاً ماننے کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کوئی پورے طور پر مؤثر طریق کار اختیار کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے ظاہر ہے کہ ان لوگوں پر بیک وقت پورا دین نافذ کرنا تو محال ہے۔ تدریج ہی سے کام کیا جا سکتا ہے اور تدریج سے کام کرتے ہوئے بسا اوقات یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ خاص خاص افراد اور خاص گروہوں کے معاملے میں۔

۱۔ کن چیزوں پر فوری زور دیا جائے اور کن کو ذرا مؤخر کر دیا جائے۔

۲۔ کن چیزوں کی طرف توجہ دلا کر پھر ثابت قدمی سے ان پر زور دیا جاتا ہے اور کن چیزوں کی خوبی یا خرابی بیان کرنے کے بعد پھر مخاطبین کو کچھ موقع دیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو ان پر عمل کرنے کے لئے تیار کر لیں۔

۳۔ کس مخصوص ماحول میں مخاطبین کی عقل اور سمجھ کو اپیل کرنا مفید ہوگا اور کہاں ان کے دلوں پر اثر ڈالنا زیادہ مناسب ہوگا۔

۴۔ کہاں صرف سمجھا دینے سے کام چل جاتا ہوگا۔ اور کہاں تفصیل سے کھول کھول کر سمجھانا ضروری ہوگا۔

۵۔ کس صورت حالات میں کسی خرابی کی علانیہ نشان دہی کرنا ضروری ہوگا اور کہاں علیحدہ تنہائی میں سمجھا دینا زیادہ مفید ثابت ہوگا۔

مختصر یہ کہ تبلیغ کے ساتھ حکمت تبلیغ سے کام لینا اور پھر ساتھ ہی اس بات کا بھی دھیان رکھنا کہ وہ حکمت تبلیغ مصلحت پسندی اور مداہنت کی شکل نہ اختیار کر لے، ایک ایسی کٹھن ذمہ داری ہے کہ خدا تعالیٰ کی توفیق اور امداد کے بغیر اس میں پورا اترنا ناممکن ہے۔

اس سلسلۂ کتب کو لکھنے سے مراد یہی تھی کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو پاک کتاب لے کر آئے تھے، اور اپنی عملی زندگی کی شکل میں اس کی جو تشریح فرما گئے

ہیں، ان کے احکام پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ مگر اس سلسلے کو ختم کرنے سے پہلے یہ بے حد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں پر زور انداز میں یہ درخواست بھی کر دی جائے کہ حصول علم دین، دین پر عمل اور دین کی دعوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ استدعا بھی کی جاتی رہے کہ وہ ہمیں دین کی وہ سمجھ عطا فرمائے جس کے باعث ہم اشیاء کی حقیقتوں کو اس طرح دیکھ سکیں جیسی کہ وہ ہیں تاکہ ہم خود دین پر عمل کرنے کے بارے میں بھی، اور دین کو دوسروں تک پہنچانے کے معاملے میں بھی، صحیح ترین اور موثر ترین طریقہ اختیار کر سکیں۔

واضح رہے کہ علم تو خدا کے حکم سے انسانوں سے بھی سیکھا جا سکتا ہے، مگر دین کی سمجھ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، کوئی انسان اسے ہمارے دل و دماغ میں نہیں ڈال سکتا۔ بلاشبہ یہ سمجھ پیدا کرنے کے لئے بھی دین کا مطالعہ مفید ہوتا ہے۔ تاہم دین کا علم حاصل کرتے ہوئے بھی، اور خدمت دین کا جذبہ رکھتے ہوئے بھی، اس بات کی مسلسل ضرورت ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا رہے کہ وہ ہمیں اس طرح ہماری انگلی پکڑ کر چلائے جس طرح بچے کو چلایا جاتا ہے۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ حضورؐ کی تعلیمات پر عامل ہونے کی انتہائی خواہش کے باوجود، ہم بے سمجھی سے کام لیں اور دینی احکام میں سے زیادہ اہم اور کم اہم میں فرق نہ کر سکنے کے باعث سارا زور کم اہم پر ڈال دیں اور زیادہ اہم نظر انداز ہوتے رہیں۔ ایسے ہی عین ممکن ہے کہ گہرا جذبہ تبلیغ رکھنے کے باوجود ہم زیادہ اہم اور کم اہم میں فرق نہ کر سکنے اور موقع محل کو نہ پہچان سکنے کے باعث دین کی دعوت دینے کے

لیے ایسے طریقے اختیار کریں جو لوگوں کو ہمارے قریب لانے کے بجائے ہم سے دور بھگا لے جانے کا باعث بن جائیں !

لہٰذا ان گزارشات کو اسی التجا پر ختم کیا جا رہا ہے کہ

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ !